

عمران سپر



جاوید

عمران اور شیطان

○

== صفر شاہین ==

○

== ناشر ==

○

حفیظ اسلمز چوک اردو بازار - لاہور

حماہ حقوق محفوظ ہیں

حقیقہ سنہ اردو بازار لاہور	ناشر
منظور پرنٹنگ پریس اردو بازار لاہور	طابع
مارش ۱۹۶۹ء	پارا اول
۲۱۰۰	تعداد
=	قیمت

حقیقہ سنہ چوک اردو بازار لاہور

کاتب محمد ارشد سہرا

گنجے سر اور خوفناک شکل کے ادھیر عمر شخص نے
 میز پر پڑے ایک تندرست نوجوان کی طرف دیکھا اور اٹھ کر میز کے
 قریب آ گیا۔ میز پر پڑا نوجوان بے ہوش تھا اور اس کا جسم میز کے
 ساتھ منسلک چمڑے کی مضبوط پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ اس کے سر لانے
 کی طرف میز سے کچھ فاصلے پر ایک ڈالیش بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر کئی
 ایک رنگ برنگے سوپچ ٹین دکھائی دے رہے تھے۔ میز کے اوپر چھت
 کے قریب ایک سرخ سنڈر لٹکا ہوا تھا۔ جس کے نیچے ایک بار ایک سی
 نکی کو ایک پائپ کے ذریعے میز تک لایا گیا تھا۔ میز کے قریب پہنچتے
 ہوئے پائپ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس کا ایک سرا تو میز پر لیٹے
 ہوئے نوجوان کے تھنوں میں فٹ تھا اور دوسرا نوجوان کے دائیں کان
 میں۔ نوجوان کے چہرے سے کچھ ادبچائی پر سبز رنگ کا ایک سنڈر
 لٹکا ہوا تھا۔ اس کے دوسرے سرے سے ایک پتلا سا پائپ نکل کر
 نوجوان کے چہرے کو چھو رہا تھا۔ گنجے سروا لے نے اس پائپ کا سرا
 نوجوان کے ہونٹوں میں فٹ کر دیا۔ پھر اس نے تنقیداً نگاہوں سے

سرخ اور سبز سلنڈر پر لگے میٹروں پر نظر ڈالی اور نوجوان کے سر ہانے لگے ڈیش بورڈ کے قریب پہنچ گیا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے سرخ اور سبز رنگ کے بین آں کر دیئے۔

سوچ آں ہوتے ہی سلنڈروں پر لگے میٹروں کی سوٹیاں تھرکنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی نوجوان کا جسم آہستہ آہستہ بھونکنے لگا۔ جسم بھونکنے کی رفتار فی منٹ پچاس سیٹی میٹر تھی۔ گنجے سر والے شخص نے گھڑی پر وقت دیکھا اور پھر نوجوان والی میز سے کچھ فاصلے پر پڑی کرسی پر جا بیٹھا۔ اس نے جیب سے سگار نکال کر سگایا اور پینے لگا۔ لیکن اس کی نظریں بدستور کلائی پر بندھی گھڑی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی وہ سلنڈروں پر لگے میٹروں پر بھی نگاہ ڈال لیتا۔ اس وسیع و عریض تجربہ گاہ میں وہ اکیلا بیٹھا تھا۔ اس کے ارد گرد مختلف میٹروں پر سائنسی اور سرجیکل آلات پڑے تھے۔ دائیں طرف کی دیوار میں ایک اسکرین لگا ہوا تھا۔ بائیں جانب ایک بہت بڑا ایریکٹر لٹھا ہوا تھا۔ جس کے ساتھ ایک لمبا پائپ لگا تھا۔ لیبارٹری کی چھت میں بارکب تاروں، نمکیوں اور پائپوں کا جال سا بنا ہوا تھا۔ چھت کے انتہائی کونے میں ایک گول سوراخ تھا جس میں ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ سیڑھی لوہے کی تھی اور اس کا دوسرا سرا لیبارٹری کے فرش پر لگا ہوا تھا۔ شاید لیبارٹری میں داخل ہونے کا وہ واحد راستہ تھا۔ کیونکہ لیبارٹری کی کسی دیوار میں دروازہ نہیں تھا۔ مشین کے کونے میں سیاہ ناپ والی چھوٹی سی ٹیبل اور چند کرسیاں پڑی تھیں۔ لیبارٹری کے فرش پر کئی جگہ مختلف اور عجیب و غریب مشینیں رکھی تھیں

گنجے سردا لے نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ اور اٹھ کر نوجوان والی

میز کے قریب آگیا۔ نوجوان کا جسم اس انداز میں پھولا ہوا تھا کہ اس کا تہ بھی چپے کی نسبت کافی بڑھ چکا تھا۔ گنجے سردا لے نے گھڑی پر آخری بار وقت دیکھا۔ سیکنڈ کی سوئی بارہ پر پہنچنے والی تھی۔ پھر جونہی سوئی بارہ پر پہنچی گنجے سردا لے نے تیزی سے دونوں سرخ و سبز ٹین آف کر دیئے پھر اس نے نوجوان کا جائزہ لیا۔ نوجوان کے جسم میں زبردست تبدیلی آچکی تھی۔ اس کا تہ تقریباً ایک فٹ بڑھ چکا تھا۔ اسی طرح جسم کے دوسرے اعضاء پھول کر موٹے دکھائی دے رہے تھے۔ گنجے سردا لے نے اس کے ناک اور کان سے پائپ کے دونوں سرے نکال دیئے۔ البتہ منہ میں پائپ رہنے دیا۔ قریب پڑی تپائی سے اس نے ایک چھوٹی سی شیشی اٹھا کر اس نے ایک سرخ کیپسول نکالا۔ اور اس میں سے سفوف نکال کر نوجوان کے منہ میں ڈال دیا۔ اس مقصد کے لئے اس نے پائپ کو ایک لمحے کے لئے نکالا تھا۔ لیکن سفوف منہ میں ڈالنے کے بعد اس نے دوبارہ پائپ کا سر نوجوان کے منہ میں ڈال دیا۔ اور اس بار اس نے صرف رنگ کا بٹن دبایا تھا۔ بٹن دبتے ہی سرخ سنڈر پر لگے میٹر کی سوئی سو کے ہندسے پر پہنچی اس نے بٹن آف کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے نوجوان کے منہ سے پائپ کا سر نکال دیا۔

اور اس کے جسم کے گرد لپٹی چمڑے کی پٹیاں کھونے لگا۔ پھر وہ تپائی پر رکھے ایک برتن کی طرف بڑھا۔ برتن میں سرخ پڑی تھی۔ قریب ہی نیچے رنگ کی ایک شیشی پڑی تھی۔ جس میں اسی رنگ کا محلول بھرا تھا۔ گنجے سردا لے نے اس شیشی سے سرخچ میں ایک تہائی محلول بھرا اور نوجوان

کے بازو میں انجکٹ کر دیا۔ محمد ابراہیم جھپٹ ہونے کے پانچ منٹ کے بعد میز پر پڑے نوجوان نے کراہ کر روٹ بدلی۔ اور کھوئی کھوئی نکلنے لگا۔ رد گرد کے ماحول کو دیکھنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی پیشانی پر سلوٹ پڑ گئے۔ شاید وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی نگاہ گئے۔ داسے پر بھی پڑی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں شناسائی کا کوئی تاثر نہیں اُبھرا تھا۔

اسے اسی کیفیت میں چھوڑ کر گئے سردالالبیارٹری کے ایک کونے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں سے اس نے ہائیڈ فون سے ملے جلتے دو آ لے اٹھائے جن کے ساتھ تاروں کا سلسلہ تھا۔ دونوں آ لے لیکر وہ دوبارہ نوجوان کے پاس پہنچا۔ پھر اس نے وہ ہائیڈ فون نما آلہ نوجوان کے سر پر اس طرح فٹ کیا کہ نوجوان کے کان اس آ لے سے چھپ گئے اور آ لے کا اگلا جھکا ہوا مائیک نما سرا نوجوان کے منہ پر آ گیا۔ نوجوان خالی الذہن کے عالم میں گئے سردالے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گئے سردالے نے دوسرا کنسپ خود پہن لیا۔ پھر اس نے دونوں آ لوں کو ملانے والی تاروں میں لگا ہوا پیش ٹین دبا دیا۔ اور بونے لگا۔ اس کی آواز میں بڑی شیرینی مگر وقار تھا۔ عجیب نارمل ہی تھا۔

”تم میرے غلام ہو۔ کیا تم سن رہے ہو۔ تمہارا نمبر ون ہے۔ تم میرے حکم کے پابند ہو۔ میرے حکم کی تعمیل کرو گے۔ تم بے انتہا طاقتور ہو۔ کیا تم نے سمجھ لیا۔“

وہاں — میں آپ کا غلام ہوں — آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔“
نوجوان نے جواب میں کہا۔

نوجوان کا جواب سنکر گنجے سروائے کے چہرے پر اطمینان کے آثار دکھائی
 دینے لگا۔ پھر وہ نوجوان کے ذہن میں ضروری باتیں بٹھانے لگا۔ تقریباً
 پانچ منٹ تک بولنے کے بعد اس نے پیش بٹن دبا دیا۔ پھر اپنے سر سے
 کنٹوپ اتارنے کے بعد نوجوان کے سر سے بھی کنٹوپ اتار لیا۔ اور اسے
 میز سے اتر جانے کا اشارہ کیا۔ نوجوان میز سے اتر گیا۔ گنجے دونوں
 کنٹوپ اس جگہ رکھے جہاں سے اٹھائے تھے اور پھر نوجوان کو اپنے
 پیچھے آنے کا حکم دیتا ہوا اس آہنی سیڑھی کی طرف بڑھ گیا جس کا دوسرا
 سرا چھت کے گول سوراخ میں ٹکا ہوا تھا۔ یہ سوراخ اتنا بڑا تھا کہ
 ایک آدمی اس سے باسانی گزر سکتا تھا۔ گنجی سیڑھی کے ذریعے چھت
 سے گزر کر اوپر پہنچ گیا۔

یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا اور وہ خلا کمرے کے فرش کے عین درمیان
 تھا۔ کمرہ کسی قسم کے سامان سے عاری تھا۔ دائیں طرف کی دیوار میں ایک
 سوئچ بورڈ لگا ہوا تھا۔ جس پر تین بٹن تھے۔ نوجوان کے اوپر آ جانے کے بعد
 گنجے سروائے نے سوئچ بورڈ کا پہلا بٹن دبایا تو فرش کا گول خلا غائب
 ہو گیا۔ اب سینٹ کا فرش ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے یہاں کبھی کوئی خلا
 تھا ہی نہیں۔ پھر اس نے دوسرا بٹن دبایا۔ بٹن دباتے ہی بائیں طرف والی
 دیوار کا ایک حصہ ادھر ادھر کھسک گیا۔ اور وہاں ایک خلا، سا پیدا ہو گیا۔
 وہ دونوں دروازہ نما خلا، سے گزر کر ایک بڑے کمرے میں پہنچ گئے۔
 خلا کے دائیں طرف دیوار پر لگے ایک فریم کو ہٹا کر گنجے نے اس جگہ گئے
 ایک سوئچ کو دبایا تو خلا، برابر ہو گیا۔
 اس کمرے میں دو چار کرسیاں اور ایک گول میز پڑی تھی۔ گنجی کمرے

کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور جیب اس کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں سرخ رنگ کا نقاب تھا۔ لیکن یہ نقاب ایسا تھا جسے پہننے سے سر بھی چھپ جاتا تھا۔ گنجے نے نقاب پہن لیا۔ اب نقاب کے سوراخوں سے دو آنکھوں کے سوا اس کا باقی چہرہ سرخ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ دروازہ کھول کر وہ باہر نکلا۔ دروازے کے دوسری طرف دو سیاہ نقابوں والے مسلح شخص کھڑے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی سرخ نقاب والے کو سیلوٹ جھاڑا۔ اور ساکت ہو گئے۔ سرخ نقاب والا ان کے سیلوٹ کا جواب دیئے بغیر رانداری میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ نوجوان بھی کسی پالتو کتے کی طرح اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔

رانداری کے دونوں اطراف میں کمرے بنے ہوئے تھے۔ نقاب پوش گنجا ایک کمرے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ یہ کافی وسیع کمرہ تھا جس میں دیواروں پر پانچ چھ اسکرین لگے ہوئے تھے۔ دائیں جانب ایک کنڈول ڈیسک بٹرا تھا جس کے ساتھ ایک ریوالتنگ چیئر رکھی تھی۔ ڈیسک پر بے شمار ریگین ٹن لگے ہوئے تھے۔ کمرے کے کونے میں ایک آہنی ٹیبل رکھی تھی۔ جس پر تین ٹیلیفون بڑے ہوئے تھے۔ سرخ نقاب والا سیدھا آہنی میز کی طرف بڑھا۔ اور گھوم کر میز کے پیچھے پڑی ہوئی ریوالتنگ چیئر پر جا بیٹھا۔ البتہ نوجوان کھڑا رہا۔

کمرے پر بیٹھ کر اس نے ٹیلیفون پر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے نکالیا۔ فوراً ہی دوسری طرف کی آواز اس کے

کانوں سے ٹکرائی۔

”بیس۔ مارٹن بول رہا ہوں۔“

”میرا ڈاکٹر۔“ اسرخ نقاب دانے نے ٹٹکھنے ہیجے میں کہا۔

”بیس بیس۔ سر۔“ دوسری طرف سے بوکھلا کر کہا گیا۔

”فورا میرے پاس پہنچو۔“ ڈاکٹر نے حکمانہ ہیجے میں کہا۔ ”جیگر کو ساتھ لانا۔“

”رائٹ سر۔ اور کچھ۔“ مارٹن کی آواز میں مودبانہ پن تھا۔

”بیس۔ او۔ کے۔“ ڈاکٹر نے کہا اور ریسور کر ٹیڈل پر رکھ دیا۔

پھر اس نے میز کے پائے میں لگے ہوئے تبنوں میں سے سفید ٹین دبا دیا۔ چند لمحے گزر گئے۔ اور پھر دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی۔

”کم ان۔“ ڈاکٹر نے سخت ہیجے میں کہا۔ اور ایک سفید فام آدمی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر آنکھ کے نیچے کسی پرانے زخم کا نشان تھا۔ جس کی وجہ سے اس کا چہرہ کچھ خوفناک دکھائی دیتا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوتے ہی ڈاکٹر کو سلام کیا۔

”ٹونی۔“ اس کو اٹامک چیمیز میں سے گزار کر واپس یہاں لے آؤ؟ ڈاکٹر نے نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سفید فام سے کہا۔

”بہتر سر۔“ ٹونی نے مودبانہ ہیجے میں کہا اور نوجوان کی طرف دیکھنے لگا جس کا نمبر ون تھا۔

”نمبر ون۔ تم ٹونی کے ساتھ چلے جاؤ۔ اور اس کی ہدایات پر عمل کرو۔“ ڈاکٹر نے نوجوان نمبر ون سے کہا۔

بھر ٹونی نمبر ون کو لے کر کمرے سے باہر چلا گیا۔ اور ٹاکسٹینینڈ
پر کسی سے رابطہ قائم کرنے لگا۔



ماوراء ہوٹل دارالحکومت کا جدید ترین ہوٹل تھا

جس میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی سہولت موجود تھی سوئمنگ پول،
شوٹنگ ہال۔ ڈانسنگ ہال اور زیر زمین جوئے بازوں کے لئے جگہ
ایسی چیزیں تھیں جو عام ہوٹلوں میں بمشکل ہوتی ہیں۔ ان دنوں تو ان
ہوٹلوں میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہاں سیلابی
پانی گھس آیا تھا بلکہ یہ تھی کہ مشہور و معروف مصری رقاصہ آجکل وہاں
بڑی باقاعدگی سے رقص کر رہی تھی۔ حالانکہ اس کے پروگرام کا وقت
رات کے نو بجے کا تھا لیکن سات بجے ہی ہوٹل کی تمام میز پر نظر آتی
تھیں۔ ان میں اکثر برزولین کے ذریعے ایک دو دن پہلے تک ہو جاتی
تھیں۔ کچھ لوگوں کی ہمیشہ سے وہاں میز پر بیٹھتی تھی۔ ایسے لوگوں
میں امین اعظم علی عمران ایپ ایس سی آکس بھی شامل تھا۔ مصری رقاصہ
کے فن کا مشہور وہ کافی دنوں سے سن رہا تھا۔ چنانچہ آج موڈ
بہت ہی وہ بھی بدمعہ جولیا دوڑا چلا آیا تھا۔

حالانکہ جولیا نے بڑا انکار کیا تھا۔ عمران بھلا کہاں ماننے والا تھا۔
جب تک جولیا تیار ہو کر فلیٹ سے باہر نہیں آگئی تھی وہ مسلسل اس
ٹپانگ ہانکتا رہا تھا۔ طرح طرح کی دلیلیں دے دے کر ثابت کرتا

رہا تھا کہ رقصِ صحت کے لئے لازمی چیز ہے۔ اور جولیا اس کی زبان بند کرنے کے لئے یہاں تک آئی تھی۔ ادراب وہ عمران کے ساتھ اس کی میز پر بیٹھی دل ہی دل میں خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ کیسے عمران یہاں بھی اس کا جلوس نہ نکال بیٹھے۔ عمران اس کے سامنے والی کرسی پر بالکل آٹوؤں کی مانند بیٹھا آنکھیں جھپکا رہا تھا۔ جیسے ہال میں جینے والی بتیاں اس کی بصارت پر گراں گزر رہی ہوں۔ دونوں کے سامنے آئس کریم کے پیالے رکھے تھے جو چند لمحے پیشتر بیراہہ رکھا گیا تھا۔

”عمران — آئس کریم کھاؤ — کیا سوچ رہے ہو؟“ جولیا نے اس کی موجودہ کیفیت میں تبدیلی لانے کی غرض سے مخاطب کیا۔
 عمران اس کی آواز سنکر یوں چونکا جیسے اب تک واقعی کسی سوچ میں غرق رہا ہو۔ پھر اس نے آئس کریم کے پیالے میں سے چمچ نکال کر میز پر رکھا اور پیالہ ہٹا کر منہ سے لگا لیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنی میز پر بلکہ پورے ہال میں تنہا ہو۔ جولیا نے اس کی اس حرکت پر اسے گھور کر دیکھا اور ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ ارد گرد کی میزوں سے دو چار لڑکیاں اور مرد عمران کی طرف غور سے دیکھنے لگے تھے۔ ان کے چہروں پر حیرت اور الجھن کے تاثرات صاف دکھائی دے رہے تھے جیسے وہ عمران کے اجزائے ترکیبی کے متعلق اندازہ گارہے ہوں۔
 لیکن عمران ان سے بے نیاز پہلے کو منہ لگاٹے پس پس کی آوازیں نکالتا ہوا آئس کریم کھا رہا۔ جولیا اس کی اس حرکت پر خاموشی سے اسے گھورے جا رہی تھی۔ اس کا پیالہ ویسے کا ویسے پڑا تھا۔

”کیا کتوں کی طرح آوازیں نکال رہے ہو۔ چچہ استعمال کیوں نہیں کرتے۔“
 آخر جولیا سے نہ رہا گیا تو وہ بول ہی پڑی۔ اُس کی آواز بہت آہستہ تھی۔
 جسے صرف عمران ہی سن سکا۔ اس نے مسکراتی نگاہوں سے جولیا کی
 طرف دیکھا اور پیالہ ہونٹوں سے ہٹا کر احمقانہ ہجے میں بولا۔

”چچوں کا دور گزر گیا ہے جولی ڈارنگ۔ آج کل ان چیزوں
 پر مارشل لا کا ضابطہ فلاں عائد ہوتا ہے۔ میرا تو مشورہ ہے کہ تم
 بھی چچہ استعمال کرنا چھوڑ دو۔“ عمران کا انداز نصیحت لٹے ہوئے تھا۔
 جولیا برا سامنہ بنا کر رہ گئی۔ پھر اس نے بہتر یہی سمجھا کہ عمران کو
 اس کے حال پر چھوڑ دے۔ عمران دوبارہ اُس کریم کھانے لگا۔ لیکن
 اس بار بھی اُس نے چچہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ جولیا بھی
 آہستہ آہستہ اُس کریم کھانے لگی۔ ابھی رقص شروع ہونے میں کافی
 دیر تھی لیکن ہال ہاؤس فل ہو چکا تھا۔ میزوں پر جوڑے بیٹھے اپنے
 اپنے حال میں مگن تھے۔ عمران کی طرف دیکھنے والوں نے اُسے کریم یا
 ذہنی مریض سمجھ کر اس کی طرف سے رخ موڑ لیا تھا۔ عمران نے اُس کریم
 کھانے کے بعد پیالہ بڑے زور سے میز پر رکھا۔ جس سے کافی اونچی
 آواز پیدا ہوئی۔ ارد گرد کی میزوں والے ایک بار پھر چونک کر عمران
 کی طرف دیکھنے لگے۔ ان کی نگاہوں میں نفرت کے آثار تھے۔ اسی
 وقت ایک ویٹر تیزی سے عمران کی طرف لپکا۔

”یس سر۔“ ویٹر نے قریب آ کر جلدی سے کہا۔

”فرامیے۔“ عمران نے اٹھا اسی سے پوچھ ڈالا۔ ویٹر گرٹا گیا۔
 اُس نے جولیا کی طرف دیکھا لیکن وہ سر جھکائے اُس کریم کھا رہی تھی۔

”کیا تم بتا سکتے ہو کہ یہ آئس کریم کس آٹو کے پھٹنے بنائی تھی۔“
 عمران نے چند لمحوں کے بعد غصیلے لہجے میں پوچھا۔
 ”جج... جی... معلوم... نہیں۔“ ویٹر کے انداز میں بوکھلاہٹ تھی۔
 ”پھر کسے معلوم ہے۔“؟ عمران دھاڑا۔ ”کہاں ہے تمہارا منیجر۔؟“
 عمران کی دھاڑ سن کر پورے ہال میں خاموشی چھا گئی۔ اور
 لوگ سر اڈنچا کر کے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ جولیا بدستور سر جھکائے
 بیٹھی رہی۔ وہ عمران کے معاملے میں ٹانگ اڑا کر خود کو تماشہ نہیں بنانا
 چاہتی تھی۔ ویسے حیران ضرور تھی کہ کریک کو یکدم کیا ہو گیا ہے۔
 ”وہ اپنے کمرے میں ہیں۔“ ویٹر نے اپنی بوکھلاہٹ پر قابو پاتے
 ہوئے بتایا۔

”بلاؤ اسے۔“ وردہ کل سے ہی ہوٹل سبل کراہوں گا۔ تم گاہکوں کو کھیاں
 کھلاتے ہو۔“ عمران گرجا۔

”مکھیوں کا نام سن کر جولیا نے بے اختیار آجانے والی ابکائی کو بڑی مشکل
 سے روکا۔ اور آئس کریم کا پیالہ میز پر رکھ دیا۔ ارد گرد کی میزوں سے اٹھ کر
 کچھ افراد عمران کی میز کے پاس آگئے تھے۔ مکھیوں کا نام سن کر ان کی شکلیں
 عجیب سی ہو گئی تھیں۔ اور یہ تھی بھی حقیقت۔ عمران کے پیالے میں ایک
 مکھی پڑی تھی۔ اور یہ عمران کا ہی کمال تھا کہ اس نے پیالہ میز پر رکھنے سے
 پہلے ایک مکھی مار کر اس میں ڈال دی تھی۔ ویٹر منیجر کو بلانے جا چکا تھا۔
 عمران کی میز کے گرد اکٹھے ہو جانے والے افراد خاموشی سے عمران کو گھور
 رہے تھے۔ اتنے میں منیجر بوکھلایا ہوا عمران کے قریب پہنچ گیا۔ آتے
 ہی کہنے لگا۔

”کیوں جناب۔ کیا بات ہے۔“

”بات مکھی کی ہے۔ جو تمہارے آئس کریم کے پیالے میں پڑی ہے۔“

اور شاید ایک آدھ میرے معدے میں بھی منتقل ہو چکی ہوگی۔“

عمران نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اندازاً حتمیٰ تھا۔

مینجر نے پیالہ اٹھا کر دیکھا اور واپس میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”جی

ہاں۔ یہ مکھی ہی ہے۔“

”میں نے بھی مکھی ہی کہا تھا۔ ہاتھی نہیں کہا۔“ عمران غصیلے ہجے میں بولا

”مجھے افسوس ہے جناب۔ بہر حال میں ابھی آئس کریم بنانے والے سے

جواب طلب کرتا ہوں۔“ مینجر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

”اور میرے معدے میں سے مکھی کون نکالے گا۔ یہ تو آپریشن کے بغیر

ناممکن ہے۔“

”مجھے افسوس۔“ مینجر نے دوبارہ کہنا چاہا۔

”افسوس۔ افسوس۔ کیا کچھ اور نہیں کر سکتے۔“ عمرالغیر آیا۔ فوراً

آپریشن کا خرچہ نکال کر یہاں رکھ دو۔ ورنہ میں تمہارے اور تمہارے

ہوٹل کے خلاف قانونی کارروائی کروں گا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کے نتیجے

میں تمہیں ہوٹل بند کرنا پڑے۔“

بات بڑھتے دیکھ کر دو مین معزز افراد عمران کو معاملہ رفع دفع کرنے

کی ہدایت کرنے لگے۔ مینجر بھی قسمیں کھانے لگا کہ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔

”اچھا۔ جاؤ۔ اور ایک پیالہ آئس کریم اور بھیج دو۔“ عمران نے

ہاتھ اٹھا کر مینجر سے کہا۔ لیکن اس بار خیال رکھنا۔“

مینجر جان چھوٹتے ہی وہاں سے دو دو گیارہ ہو گیا۔ دوسرے گاہک

بھی اپنی اپنی میزوں کی طرف بڑھ گئے۔ جولیانے کنکھیوں سے عمران کی دیکھا۔ عمران کے چہرے پر حماقت چھائی ہوئی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ چند لمحے پہلے کے واقعات سے بے خبر ہے۔ اتنے میں ایک ویٹر آئس کریم لے کر آ گیا۔

”یہ کیا چکر چلایا تھا تم نے؟“ ویٹر کے جانے کے بعد جولیانے اس سے پوچھا۔

”ہی ہی۔ ہی۔“ عمران بے شکم سی سی منسا۔ اب تم سے کیا چھپانا جولی ڈار لنگ۔ آئس کریم بڑی مزیدار تھی۔ ایک پیالہ اور کھانے کے لئے مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا۔ کیا تم بھی اور کھاؤ گی؟“ آخر میں اس نے پوچھا۔

”بسن رہنے دو۔ کیا تم سیدھی طرح ویٹر کو آرڈر نہیں دے سکتے تھے؟“ جولیانے ناگواری سے کہا۔

”در اصل جب تک ٹیڑھی نہ ہو مزا نہیں آتا۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔ ”میں چاہوں تو اس پیالے میں بھی ایک عدد مکھی پیدا کر لوں۔“ ”خدا کی پناہ۔“ جولیا آنکھیں پھاڑ کر بولی۔ تو کیا وہ پہلی مکھی بھی تم نے خود ڈالی تھی پیالے میں۔“

”ہاں۔۔۔ وہ تو پھر بھی مکھی تھی۔ میں چاہوں تو اس پیالے میں مینٹک بھی ڈال سکتا ہوں۔ بشرطیکہ یہاں دستیاب ہوں۔“

جولیا کچھ کہنے والی تھی کہ اسی لمحے ہال میں لگے سپیکروں سے آواز خارج ہونے لگی۔ ہوٹل کا مینجر کہہ رہا تھا۔

”حضرات۔۔۔ اب پروگرام شروع ہونے والا ہے۔ چند لمحوں

بعد آپ شیخ پر مصر کی مایہ ناز فن کارہ لیلیٰ کو دیکھیں گے۔ —

اس اعلان کے ساتھ ہال کی بتیاں ایک ایک کر کے بجھنے لگیں اور آرکسٹر کی سدریلی ڈھنیں سنائی دینے لگیں۔ پھر شیخ پر پڑا ریشمی پردہ آہستہ آہستہ ہٹنے لگا۔ ہال میں موجود تمام افراد اپنا رخ شیخ کی طرف موڑ چکے تھے۔ ہال میں اندھیرا چھا چکا تھا۔ لیکن شیخ کسی سینا سکرین کی طرح روشن تھی۔ شیخ کے عقب میں جنگل کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ جس میں ایک برشیر کا چہرہ بنا ہوا تھا۔ آرکسٹر کی آوازیں لمحہ بہ لمحہ تیز ہونے لگیں۔ چند لمحوں بعد آرکسٹر نے دم توڑتے ہوئے آدمی کی طرح آخری بجکی لی اور اس کے ساتھ ہی شیخ کے دائیں طرف سے ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی برآمد ہوئی۔ جس کے چہرے کے خدوخال خالص مصریوں کے سے تھے۔ اس کے شیخ پر ظاہر ہوتے ہی آرکسٹر کی ڈھن یکدم بدل گئی اور شیخ کی روشنی سکڑ کر دائرہ کی شکل اختیار کر گئی۔ روشنی کا یہ دائرہ مصری رقاصہ پر پڑ رہا تھا جس نے مصری لباس پہنا ہوا تھا۔

شیخ پر آتے ہی مصری رقاصہ نے جھک کر سلام کیا اور دوسرے ہی لمحے جسم کو تھکڑا کرنے لگی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے شیر کا چہرہ دیکھ کر کانپ رہی ہو۔ اور پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر اس نے شیر کا ایک بوسہ لیا۔ فوراً ہی آرکسٹر میں شیر کی گرج گونجی۔ رقاصہ خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ سے اچھلی۔ اور شیر کے چہرے سے دور ہو بیٹھی گئی۔

آرکسٹر نے ڈھن بدلی اور رقاصہ کا جسم حرکت میں آ گیا۔ اب وہ رقص کر رہی تھی۔ رقص کرنے کا انداز ٹیرا پیارہ تھا۔ کم از کم عمر اٹھ اور جولیا

نے اس قسم پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے وہ دونوں بڑی توجہ اور دلچسپی سے رقص دیکھنے میں مشغول تھے۔ ان پر ہی کیا موت۔ ہال میں موجود تمام افراد کا یہی حال تھا۔ رقصہ کے جسم کی ہر حرکت سے سیکس کی جھلکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ کچھ اس انداز میں رقص کرتے ہوئے شیر کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے اُسے منانے کے لئے مانج رہے ہو۔

مصری رقصہ یمنی کے رقص میں تیزی آتی چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی بدن سے کپڑے سرکنے لگے۔ جولیانے بوکھلا کر عمران کی طرف دیکھا۔ اور چونک پڑی۔ عمران کی آنکھیں بند تھیں۔ اسی لمحے رقصہ کی طویل چیخ ہال میں چھائے سنائے کا سینہ محروح کر گئی۔ چیخ کی آواز سنتے ہی عمران نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ روشنی کے دائرے میں اسے ایک عجیب و غریب شخص کی پشت نظر آئی جو رقصہ کو اٹھا کر کندھے پر ڈال رہا تھا۔ عمران نے ایک لمحے میں ہی صورت حال کا اندازہ لگالیا اور فوراً ہی حیرت لگا کر سیٹج پر جا پڑا۔ قدامت شخص رقصہ کو اٹھائے سیٹج کے دائیں طرف دوڑا۔ عمران نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔ ہال میں افراد فوری پیدا ہو گئی۔ رہیاں اٹھنے لگیں۔ آرکسٹرا تو رقصہ کی چیخ کے ساتھ ہی دم توڑ چکا تھا۔ اور اب ہال کی درختیاں بھی جاگ اٹھی تھیں۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے کہ کیا ہوا۔ کئی لوگوں کا خیال تھا کہ شاید رقص کے آخر میں ایسا ہی ہونا ہے۔ جولیانے عمران کو طویل القامت شخص کے پیچھے دوڑتا دیکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں اس کے سوا کچھ نہ آیا کہ رقصہ کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہے۔



میلوں سیاہ بیوک کی پھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اگلی
سیٹوں پر دو سفید نام بیٹھے تھے۔ جن میں سے ایک کار کا ڈرائیور جبگیر
دوسرا مارٹن تھا۔ کار کا رخ شہر کے مرکزی علاقے کی طرف تھا۔
”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ ڈاکٹر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے۔“
”کونسا مقصد —؟“ ڈرائیور نے چونک کر پوچھا۔

”پھلی سیٹ پر بیٹھے نوجوان کو جاننے ہو۔؟ پہلے نے سوال کیا۔
”نہیں — شاید باس نے اسے نیا بھرتی کیا ہے۔“ ڈرائیور نے
انکار میں سر ہلایا۔

”بھرتی نہیں کیا بلکہ اغوا کیا گیا ہے۔“ اس نے جواب میں کہا۔ ”مائی
ڈیر جبگیر — اس نوجوان کو پرسوں میں ہی اغوا کر کے لایا تھا۔ اور ڈاکٹر
نے اس پر اپنا تجربہ کر کے اسے ناقابلِ تسخیر بنا دیا ہے۔ جب میں اسے
لے آیا تھا تو یہ عام سانوحوان تھا۔ لیکن اب یہ قدر آور ہونے کے ساتھ
ساتھ فائر پروف اور بلیٹ پروف بن چکا ہے۔ اس کی طاقت بیس
آدمیوں کی طاقت سے زیادہ ہے۔ اور یہ اس موٹر کار کو اپنے ایک
ہاتھ پر اٹھا سکتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بوقتِ ضرورت ہم کی طرح چھٹ
کرتا ہی پھیلا سکتا ہے۔“

”اوہ —“ ڈرائیور جبگیر کے ہونٹ تجھیر سے کھل گئے۔ بڑا سنسنی خا

انکشاف کر رہے ہو مارٹن۔

”ہاں۔ میں صحیح کہہ رہا ہوں۔ تم اسے ایٹمی انسان بھی کہہ سکتے ہو۔ یہ اپنے جسم میں بے پناہ ایٹمی طاقت رکھتا ہے۔ لیکن اس کا دماغ باس کے کنٹرول میں ہے۔ یعنی ہیناٹرم کے زیر اثر ہے۔ باس نے اسے نمبرون کا نام دیا ہے۔ اور نمبرو بھی آج رات تیار ہو جائے گا۔ ہم جس مہم پر جا رہے ہیں وہ صرف ایٹمی انسانوں کو آزمانے کے لئے ہے۔ مارٹن نے مزید بتایا۔

اسی وقت جیگر نے کار ایک دو منزلہ بلڈنگ کے عقبی گلی میں روکی کار رکھتے ہی وہ تینوں کار سے اترے۔ دائیں ہاتھ پر بلڈنگ کا عقبی دروازہ نظر آ رہا تھا جو بند تھا۔ جیگر نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا لیکن شاید وہ لاک تھا۔ مارٹن نے نمبرون کو اشارہ کیا۔ نمبرون آگے بڑھا۔ اس نے ہینڈل کو گھمانے کی کوشش کی۔ اور آہنی ہینڈل ٹوٹ کر اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ ہینڈل ٹوٹنے سے دروازے کا لاک ختم ہو گیا۔ وہ تینوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ چوڑی سنی راہداری تھی۔ جو آگے جا کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے چند گز دور سٹیج پر مہری رقاصہ لیلیٰ رقص کر رہی تھی۔ جس جگہ وہ تینوں رکنے تھے۔ وہ سٹیج کا عقبی حصہ تھا۔ اور دوسری طرف پردے کے پیچھے رقاصہ ہال میں بیٹھے تماشا میوں کا دل بھار ہی تھی۔

”نمبرون۔“ جیگر نے نمبرون کو مخاطب کیا۔ ”تم ٹھیک تین منٹ بعد اس پردے سے نکل کر رقاصہ کے سر پر دیوالور کا دستہ رسید کرو گے اور اسے اٹھا کر عقبی راستے سے باہر کار میں پہنچو گے۔ بوقت ضرورت تم دیوالور

بھی استعمال کر سکتے ہو۔“

”بہتر۔“ نمبرون نے مختصر آکھا۔ اور جیگر مارٹن کے ساتھ واپس چلا گیا۔ نمبرون نے جیب سے ریوا اور نکال کر اسے نال کی طرف سے پکڑ لیا۔ اور کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھنے لگا۔ تیسرا منٹ ختم ہوتے ہی پھر وہ پردے کے عقب سے نکل کر تیزی سے رقاصہ پر جھپٹا۔ ریوا اور کا دستہ رقاصہ کے سر پر پڑا اور طویل جینج کے ساتھ وہ بے ہوش ہو گیا۔ نمبرون نے جلدی سے اسے کندھے پر لا دیا اور عقبی راستے کی طرف دوڑ نکادی۔ لیکن فوراً ہی اسے اپنے پیچھے کسی کے دوڑنے کی آواز سنائی دی۔ راہداری کا موڑ مڑتے ہوئے اس نے پیچھے کی طرف دیکھا اور فوراً ہی اپنے پیچھے آنے والے واحد آدمی پر فائر کر دیا۔ ساٹھ گز لگے ریوا اور سے شعلہ سا نکلا۔ اور مستاقب کے بازو میں گھس گیا۔ فائر کرتے ہی وہ پھر دوڑا اور عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔ کار کا پچھلا حصہ کھلا تھا۔ اس نے تیزی سے رقاصہ کا بے ہوش جسم کار میں گھسیڑا اور خود بھی بیٹھ گیا۔ کار سٹارٹ تھی۔ چنانچہ فوراً ہی چل پڑی۔ اسی لمحے نمبرون کے پیچھے دوڑنے والا آدمی عقبی دروازے سے باہر نکلا اور اس نے کار پر فائر کر دیا۔ لیکن کار گولہ کا رینج سے دور پہنچ چکی تھی۔

”اوہ۔۔۔ یہ تو عمران تھا۔“ مارٹن نے پیچھے دیکھتے ہوئے جیگ سے کہا۔ جو ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

”کون عمران۔۔۔؟ جیگر نے چونک کر پوچھا۔

”اکیسٹو کا چچہ اور پولیس کا انفارمر۔“ مارٹن نے کہا۔ ”ٹرا

خطرناک انسان ہے۔ کسی بھی غیر قانونی کام کرنے والے کی راہ کا سب

سے بڑا پھتر۔ جسے آج تک کوئی نہیں ہٹا سکا۔“

”اچھا۔ سمجھ گیا۔ شاید تم اس احمق کی بات کر رہے ہو جس سے
کھریا بین الاقوامی مجرمہ عشق کرتی ہے۔ اور سنگ ہی جیسے اسے
بھتیجا کہتے ہیں۔“

”ہاں۔ وہی۔“ مارٹن نے سر ہلاتے ہوئے کہا: ”اگر وہ ہماری
راہ پر لگ گیا تو سمجھو کہ ہم پھنس گئے۔“

”ڈاکٹر شیطان اس دور کا سب سے بڑا شیطان ہے۔ وہ عمران
کو نمٹ ڈال دے گا۔“ جیگر نے فخریہ انداز میں کہا۔

”شاید تم اس سے پوری طرح واقف نہیں ہو جیگر۔“ وہ شیطانوں
کا شیطان ہے۔“ مارٹن نے کہا۔

”کیا تم ڈاکٹر شیطان کو عمران سے کمتر سمجھتے ہو۔؟ جیگر نے بھنویں
سیکڑ کر کہا۔“ ٹھیک ہے میں ڈاکٹر کو تمہارے خیال سے آگاہ کر دوں گا۔“
”اوہ۔ خدا کے لئے ایسا غضب نہ کرنا۔“ مارٹن گھبرا کر بولا۔
”وہ تو میری کھال کھینچ لے گا۔“

”تو پھر یہ سوچو کہ عمران ڈاکٹر شیطان کے مطالبے میں معمولی ہرکارے
کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ڈاکٹر جب چاہے اسے چیونٹی کی طرح مسل
کر رکھ دے۔“

”ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔“ مارٹن جلدی سے بولا: ”اب تم
اس موضوع کو ختم ہی کر دو۔“

”اب شاید تمہیں عقل آگئی ہے۔“ جیگر مسکرایا لیکن مارٹن کچھ

نہ بولا ۔

پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا نمبر ون خاموشی سے ان کی گفتگو سنتا رہا۔ بے ہوش رقصہ اس کے پہلو میں پڑی تھی۔ اور نمبر ون کے کھڑے ہاتھ رقصہ کے عریاں جسم پر ادھر ادھر رنگ رہے تھے۔ اب تک وہ جائے واردات سے چار پانچ میل دور پہنچ چکے تھے۔ پھر جگہ لے کر ایک بار کے سامنے روکی۔ مارٹن کارٹے اتر کر پچھلے دروازے کی طرف آیا۔ اس نے بے ہوش رقصہ کو کار سے نکال کر کاندھے پر لادا اور کے ساتھ والی تیلی سسی گلی میں گھس گیا۔ گلی میں پھلا دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ چند لمحوں بعد دروازہ کھلا اور ایک سیاہ فام شخص نے باہر جھانکا۔ پھر مارٹن پر نظر پڑتے ہی سامنے سے ہٹ گیا۔ مارٹن رقصہ کو اکٹھا کر اندر داخل ہوا۔ یہ ایک کمرہ تھا۔ خوبترین طریقے پر فرنیچرڈ تھا۔ شاید بار کے منیجر کا کمرہ تھا۔ مارٹن نے بے ہوش رقصہ کو ایک لانگ چیئر پر لٹا دیا۔ اور سیاہ فام کی طرف بھٹنے لگا۔

”باس نے اس بارے میں تمہیں فون کر ہی دیا ہوگا۔“ مارٹن نے سیاہ فام سے پوچھا۔

”ہاں۔ لیکن سمجھ نہیں آتی کہ باس کو ایسی کیا جلدی تھی۔ اگر عیاشی ہی کرنا تھی تو مجھے حکم دیا ہوتا۔“ سیاہ فام نے کہا۔ ”میں اس کے لئے کوئی خوبصورت نوخیز کافی پیش کرتا۔“

”یہ تو باس ہی بتا سکتے ہیں۔ اس سے پوچھ لینا۔“ مارٹن نے مسکرا کر کہا۔

”واہ۔۔ میں نے پوچھ کر گردن کٹوانی ہے۔“ سیاہ فام نے جلدی سے کہا۔ ”کیا وہ آج رات ہی آئیں گے۔“

”خدا جانے۔“ مارٹن نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال تم اس کا خیال رکھنا۔“

”اوہ تم فکر نہ کرو۔ میرے جال میں آیا پچھی آسانی سے نہیں نکل سکتا۔“

”ادکے۔ گڈ نائٹ۔“ مارٹن نے مسکرا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل کر گلی میں پہنچ گیا۔ اُس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اور پھر گلی سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے کار میں بیٹھے ہی جیگر نے انجن سٹارٹ کیا اور گیئر بدل کر کار آگے بڑھا دی۔



دوسری صبح کے اخبارات میں رقاصہ لیلیٰ کے اغوا کی خبریں شہ سرخیوں سے چھپیں۔ صفدر نے سٹال سے اخبار خریدا اور کار میں جا بیٹھا۔ کار اسٹارٹ کر کے وہ عمران سے ملنے کے لئے چل پڑا۔ اور صبح ہی صبح جولیا کا فون موصول ہوا تھا۔ جس نے بتایا تھا کہ عمران رقاصہ کو بچانے کی کوشش میں زخمی ہو گیا تھا۔ گولی اس کے بازو میں لگی تھی۔ صفدر نے سوچا کہ عمران کا حال پوچھ آئے۔ ویسے بھی عمران سے ملاقات کئے کئی دن گزر چکے تھے۔ اگلے چوک پر پہنچتے ہی اسے کار

روکنا پڑی۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس طرف کی ٹریفک کی ہو کی تھی۔
 صفدر اس قدر شخص کی طاقت پر حیران رہ گیا۔ پھر اس کے دیکھتے ہی
 دیکھتے قدر اور شخص نے ہار کو ایک طرف اچھال دیا۔ سبز کار دایں طرف
 کھڑی ایک کار پر گری ایک دھماکہ ہوا اور دونوں کاریں آگ کے شعلوں
 میں گھر گئیں۔ اور اس کے ساتھ ہی دونوں کاروں کے ڈرائیوروں کی ٹول
 جینیں سنائی دی گئیں۔

صفدر قدر اور شخص کی اس جرات اور وحشت پر دمک رہ گیا۔ پھر
 اس نے قدر اور شخص کو ایک اور کار کی طرف بڑھتے دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ
 اسے بھی اٹھا کر پھینکنا چاہتا ہے۔ وہ کار کا دروازہ کھول کر نیچے اُترا۔
 اور قدر اور آدمی کی طرف دوڑ لگا دی۔ جو بائیں طرف کھڑی کار کی طرف
 بڑھ رہا تھا۔ اور اس کار میں سے سوار دو آدمی ڈر کر کار سے نکل گئے
 تھے۔ صفدر نے قدر اور کے تار کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی اسے جا
 لیا۔ قریب پہنچتے ہی وہ چیخا۔ ”ٹھہرو۔“

قدر اور شخص نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تضحیک
 کے آثار دکھائی دیئے۔ دوسرے ہی لمحے اس نے بڑی پھرتی سے
 صفدر کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور فضا میں چکر دینے لگا۔ صفدر نے
 خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرنا چاہا۔ لیکن ناکام رہا۔ اسے
 محسوس ہوا کہ قدر اور کے ہاتھ آہنی سکنجے ہیں۔ چارپانچ چکر دینے کے بعد
 قدر اور نے اسے ایک طرف اچھال دیا۔ اور خود دوبارہ کار کی طرف
 بڑھا۔ صفدر ہوا میں تیرتا ہوا ایک گاڑی کی طرف گیا۔ اور پھر اس سے
 پہلے کہ اس کا جسم گاڑی کے بونٹ سے ٹکراتا۔ اس نے ایک قلا بازی کھائی

اور کار کے دوسری طرف سڑک پر پاؤں کے بل جاگرا۔ گرنے سے اسے
چوٹ نہیں آئی تھی۔ فوراً ہی اٹھ کر اس نے جیب سے ریوالور نکالا
لیکن اسی لمحے اسے بائیں طرف چھلانگ لگانا پڑی۔

قد آور نے کار اٹھا کر اس پر پھینک دی تھی۔ کار دوسری کار سے
ٹکرائی۔ اگر صفدر نے ایک لمحہ بھی وہاں سے ہٹنے میں دیر کی ہوتی
تو اس کا بچنا محال ہو جاتا۔ کیونکہ دونوں گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرنے
کے بعد آگ کے شعلوں میں گھر گئی تھیں۔ اتنی دیر کئی لوگ ریورس گیر
لگا کر گاڑیاں واپس لے جا چکے تھے۔ اب وہاں چند ایک کاریں رہ
گئی تھیں۔ جن کے مالکان خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے تھے۔ صفدر نے فوراً
ریوالور کا رخ قد آور آدمی کی طرف کر کے فائر کر دیا۔ دھماکے کی آواز
کے ساتھ ہی گولی گولی قد آور کے سینے پر پڑی اور ٹکرا کر نیچے گر گئی۔ قد آور
برگولی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ سڑک پر کھڑا ہنس رہا تھا۔ صفدر
نے ہیرت سے پہلے تو اسے دیکھا پھر ریوالور کی طرف۔ دوسرے لمحے
اسے خیال آیا کہ کہیں قد آور لمبٹ پر دف تو نہیں ہے۔ یہی سوچ کر
اس نے قد آور کی طرف دیکھا جو بھاری آواز میں کہہ رہا تھا۔
”مجھے مارنے کے لئے توپ لاؤ۔ شاید پھر بھی کامیاب
نہ ہو سکوں۔“

”ٹھہرو۔ ایک بار پھر کوشش کر لینے دو۔“ صفدر نے مسکرا کر کہا۔
”اس بار بھی ناکامی ہوئی تو پھر توپ ہی لے کر آؤں گا۔“
”خوب تو کرو کوشش۔“ قد آور نے ہنستے ہوئے کہا۔
صفدر نے ریوالور سیدھا کیا اور قد آور کی آنکھ کا نشانہ لیا۔ اس

وقت وہ قد آور چند گز کے فاصلے پر کھڑا تھا۔ نشاء بے کراس نے فائر کر دیا۔ دھماکہ ہوا اور گولی سیدھی قد آور کی پائیں آنکھ میں گھس گئی۔ دوسرے ہی لمحے ایک کان بھار دینے والا دھماکہ ہوا اور قد آور شخص کے جسم کے چھوٹے اڑ گئے۔ دھماکہ اتنا بلند تھا کہ اس کی آواز کافی دور تک سنی گئی۔ دھماکے کی آواز سے ارد گرد کی عمارتوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔ راہ چلتے لوگ گر پڑے اور کئی گاڑیوں میں حادثے ہو گئے۔ شاید ان کے ڈرائیور دھماکے کی بے پناہ آواز سے حواس کھو بیٹھے تھے۔ چوک میں کھڑی گاڑیاں تباہ ہو گئیں۔ قد آور شخص کے ٹکڑے گویا فوٹا لگا ٹکڑے تھے۔ جنہوں نے صفدر کے جسم سے لگ کر اسے زخمی کر دیا تھا وہ دھماکہ ہوتے ہی ایک کار کے بونٹ سے جا ٹکرایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے قد آور شخص کے جسم کا ایک ٹکڑا آگیا۔ غالباً وہ بازو تھا۔ لیکن صفدر کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اسے منوں وزنی ہتھوڑا آگیا ہو۔ حواس کھو کر نیچے گر پڑا لیکن مکمل طور پر بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ پھر اس نے دہاں لوگوں کا ہجوم بڑھتے دیکھا۔ دو آدمیوں نے اسے سہارا دے کر اٹھایا۔ صفدر کا سر کار کے بونٹ سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا تھا۔ ادراپ اس میں سے خون بہہ رہا تھا۔ جس جگہ قد آور شخص کے جسم کا ٹکڑا لگا تھا وہاں سے درد کی شمس اٹھ رہی تھی۔ لوگ اس سے واقعہ پوچھ رہے تھے۔ ان لوگوں میں چند ایک ایسے بھی تھے جنہوں نے صفدر کو قد آور شخص کے ہاتھوں پر بلند دیکھا تھا۔ صفدر خاموش تھا۔ وہ انہیں کیا بتاتا۔ وہ تو خود حیران رہ گیا تھا کہ قد آور کے ہلم کی طرح پھٹ پڑنے کا موجب کیا چیز بنی تھی۔ اس کی گولی یا کسی نے قد آور

شخص پریم دے مارا تھا۔ اس نے ماتھے پر سے خون صاف کیا اور
 اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن جسم میں سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ لوگ
 بار بار اس سے پوچھ رہے تھے کہ اس نے قہر پریم پھینکا تھا یا کوئی
 اور بات تھی جس سے وہ قہر ہو گیا۔

اسی لمحے صفدر کو ہجوم میں اپنا ایک ساتھی دکھائی دیا اور وہ ساتھی
 کیپٹن بابر تھا۔ وہ لوگوں کو ادھر ادھر بٹھاتا صفدر کی طرف بڑھ رہا تھا۔
 صفدر کے قریب پہنچ کر مسکرا کر صفدر کی طرف دیکھا۔ پھر وہ ہجوم سے مخاطب ہوا۔
 ”بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ اس زخمی کو طبی امداد پہنچانے کی بجائے
 سوالات کر کے اس کی ناک میں دم کئے دے رہے ہیں۔“

یہ کہہ کر اس نے تیزی سے صفدر کو اٹھا کر کاندھے پر لادا اور واپس
 کے لئے مڑا۔ لوگوں نے خود بخود راستہ چھوڑ دیا۔ کیپٹن بابر صفدر کو
 اٹھائے کچھ فاصلے پر کھڑی اپنی کار کے قریب آیا۔ دروازہ کھول کر
 اس نے صفدر کو پچھلی نشست پر ڈالا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ
 کر انجن سٹارٹ کرنے لگا۔ اسی لمحے فضا پولیس کاروں کے سائرن سے
 گونج اٹھی۔ اور مجمع کٹائی کی طرح پھٹنے لگا۔ کیپٹن بابر نے تیزی سے
 کار بڑھا دی۔ اور ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔ اسی لمحے سامنے
 سے آتی ہوئی پولیس کی کار سائرن بجاتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔

کیپٹن بابر جانتا تھا کہ جائے حادثہ پر پولیس کو جب یہ پتہ چلے گا
 کہ زخمی کو کوئی اٹھا کر لے گیا ہے تو شاید وہ اس کا پیچھا کرے۔ چنانچہ
 اس نے کچھ دور جا کر کار ایک بنلی سڑک پر موڑ دی۔ چند منٹ بعد
 وہ ایک اور شاہراہ پر آ نکلا اور اطمینان سے کار چلانے لگا۔ اس

نے عمران کے فلیٹ جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ بیک مر میں اس نے صفدر پر نگاہ ڈالی۔ صفدر کی آنکھیں بند تھیں۔ شاید وہ بے ہوش تھا یا ویسے ہی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ بہر حال اس نے صفدر کو مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا۔ عمران کے فلیٹ کے سامنے کار روک کر اس نے صفدر کو کار سے نکال کر گاندھے پر ڈالا اور سیڑھیاں چڑھ کر فلیٹ کے دروازے پر لگی کال بیل کا بٹن دبائے لگا۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا اور سلیمان کی شکل دکھائی دی۔ کیپٹن بابر کو دیکھتے ہی وہ ایک طرف ہٹ گیا۔ کیپٹن صفدر کو اٹھائے اندر داخل ہوا۔ اور سیدھا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ڈرائنگ میں عمران اخبار کے مطالعے میں مصروف تھا۔ جونہی اس کی نظر کیپٹن کی پشت پر پڑے ہوئے صفدر پر پڑی وہ چونک پڑا۔ صفدر کا منہ چونکہ کیپٹن بابر کی پشت کی طرف تھا۔ اس لئے وہ پہچان نہ سکا۔

”اوہ — کیا ہوا — یہ کون ہے؟“ اس نے تیزی سے پوچھا۔

”صفدر ہے — لیکن بے ہوش ہے۔“ کیپٹن بابر نے صفدر کو ایک صوفے پر لٹاتے ہوئے کہا۔

”کیا ہوا اسے — یہ زخمی ہے —“ عمران نے صفدر پر جھکتے ہوئے کہا۔

”میں خود لاعلم ہوں۔ میں نے تو اسے چیئر کراسنگ پر زخمی حالت میں پڑا دیکھا تھا۔ اور اس کے گرد دو چار تباہ شدہ کاریں اور لوگوں

کا ہجوم تھا۔ میں نے جلدی سے اسے اٹھا کر کار میں ڈالا کیونکہ اسی وقت پولیس کی کاریں آپہنچی تھیں۔ —

عمران خاموشی سے فرسٹ ایئر بکس اٹھا لیا۔ اس کے صفدر کے سر کے زخم کی بنیڈیج کرنے کے بعد اسے ایک انجکشن لگا دیا۔ پھر وہ خاموشی سے اس کے قریب ہی کرسی ڈال کر بیٹھ گیا۔ کیپٹن بابر بھی خاموشی سے صفدر کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر گزر گئی اور پھر صفدر کے پیوٹوں کو حرکت کرتے دیکھ کر عمران نے اطمینان کا سانس لیا۔



ڈاکٹر شیطان اپنے دسے یہ بیٹھا اسکرین پر ایک چوک کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اسکرین پر ایک آدمی ایک زخمی کو اٹھائے ایک کار کی طرف بڑھتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسکرین کے ساتھ لگے سپیکرز سے پولیس کاروں کے سائرن کی آوازیں خارج ہو رہی تھیں۔ ڈاکٹر خاموشی سے اس کار کو اسکرین پر دیکھ رہا تھا جو تیزی سے ایک طرف بھاگی جا رہی تھی۔ پھر وہ کار ایک فلیٹ کے سامنے رکتی نظر آئی۔ اس کے ڈرائیور نے پچھلی سیٹ سے زخمی کو نکالنا فلیٹ کے دروازے پر لگی کال بیل بجانے لگا۔ دروازہ کھلا تو وہ زخمی کو لئے

اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ دوبارہ بند کر دیا گیا۔

ڈاکٹر نے آٹھ کنٹرول بورڈ یعنی ڈیسک پر لگے جٹوں میں سے ایک جٹن دیا یا سکریں تار یک ہو گیا۔ اس وقت ڈاکٹر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ طاری تھی۔ اس کا پہلا تجربہ کامیاب رہا تھا۔ ایسی انسان نے پھیٹ کر تباہی مچا دی تھی۔ کنٹرول ڈیسک سے ہٹ کر وہ دوبارہ میز کی طرف آیا۔ اور فون کا ریسپونڈر اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد سلسلہ مل گیا۔

”یس — جیگر سپیکنگ —“ دوسری طرف سے آواز سنائی دی۔

”ہیراز ڈاکٹر —“ ڈاکٹر نے سخت ہجے میں کہا۔

”یس باس — فرمائیے —“ جیگر کی آواز میں اس بار مودبانہ پن۔

”راجہ کے متعلق کیا رپورٹ ہے —“

”سر — اس نے یقین دلایا ہے کہ شام تک دس تندرست نوجوان مہیا کر دیئے جائیں گے۔“ جیگر کی آواز سنائی دی۔ لیکن اس نے

پوچھا ہے کہ آدمی کہاں پہنچائے جائیں —“

”اسے کہو کہ آدمی فی الحال اپنے پاس ہی رکھے۔ رات دس بجے کے

بعد تم خود انہیں لے آنا۔ اس سب سے میں کسی قسم کی لاپرواہی کی سزا

موت سے کم نہیں ہوگی۔ سمجھے —“ ڈاکٹر نے غراتے ہوئے کہا۔

”سمجھ گیا باس — اور کوئی حکم —“ جیگر نے کہا۔

”بس —“ یہ کہہ کر ڈاکٹر نے ریسپونڈر کرڈیل پر ڈال دیا۔ اور خود آٹھ

کر ایک بار پھر کنٹرول ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔

اس نے ایک بٹن دبایا تو دیواروں پر لگے اسکرینوں میں سے ایک روشن ہو گیا۔ پھر وہ ایک ناب کو گھمانے لگا۔ اسکرین پر شہر کے مختلف حصے نظر آتے اور گزر جاتے۔ آخر میں اس نے ایک دو منزلہ بلڈنگ کا منظر نظر آتے ہی ناب کو گھمایا بند کر دیا۔ یہ دفتر خارجہ کی عمارت تھی۔ اس نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ نو بج رہے تھے۔ اتنے میں اسکرین پر ایک کار دفتر میں داخل ہوتی نظر آئی۔ جس پر ملکی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ باوردی ڈرائیور نے لان میں کار روکی اور اتر کر کار کا پچھلا دروازہ کھولا۔ کار سے ایک ایک ادھیڑ عمر شخص باہر نکلا۔ یہ شخص امور خارجہ کا وزیر تھا۔ اس کے کار سے باہر نکلتے ہی کنٹرول ڈیسک کا ایک بٹن آن کر کے کہا۔

”مسٹر وزیر — ٹھہر جاؤ —“

اسکرین پر نظر آنے والا وزیر حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ اپنے ڈرائیور سے کچھ کہتا نظر آیا۔ لیکن ڈرائیور نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”میں ڈاکٹر شیطان تم سے مخاطب ہوں۔ تم مجھے نہیں دیکھ پاؤ گے۔“

ڈاکٹر نے ہنس کر کہا۔ ”اپنے سر براہ مملکت کو میرا پیغام پہنچا دو کہ حکومت سے دستبردار ہو جائے۔ اس کے لئے میں اسے تین دن کی مہلت دیتا ہوں — ورنہ اسے موت کا ذائقہ چکھنا ہوگا۔“ یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر نے ایک اور بٹن آن کر دیا۔

”تم کون ہو اور کہاں سے بول رہے ہو؟“ اسکرین کے سپیکر سے وزیر کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

”میں نے بتایا ہے کہ میں ڈاکٹر شیطان ہوں اور ہوا سے تمہیں مخاطب کر رہا ہوں۔ تم مجھے نظر آ رہے ہو لیکن میں تمہیں نظر نہیں آ سکتا۔ بس

تم میرا پیغام اپنے سربراہ تک پہنچا دو۔ اسی میں تم سب کی بہتری ہے۔
 یہ کہتے ہوئے اس نے ایک قہقہہ لگایا اور مین دبا کر سکرین تارکپ کر دیا۔
 وہاں سے ہٹ کر وہ دوبارہ ریڈیو لوگ چھیڑ پڑا بیٹھا۔ اور فون پر
 کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔



صفدر کی زبانی واقعات سنکر عمران کسی سوچ میں
 ڈوب گیا۔ کراسنگ چھیڑ پر پھٹنے والے شخص کا جو حلیہ صفدر نے بیان کیا
 تھا، عمران کے خیال میں وہ وہی تھا جس نے رات ماورا ہوٹل سے مہری
 رقصہ کو اغوا کیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ پھر کسی سر پھرے جنونی سائنسدان پر
 دیوانگی کا دورہ پڑا ہے۔ ماضی میں وہ کئی ایسے سائنس دانوں سے نیٹ
 چکا تھا جنہوں نے اپنی ایجادات کو غلط طریقے سے استعمال کر کے انسانیت
 کا خون بہایا تھا۔ اور عمران کو ان کی گردنیں توڑنا پڑی تھیں۔ اب پھر کسی سائنسدان
 نے اپنی ایجادات کا تعارف اس انداز سے کرایا تھا کہ اس کے ساتھی صفدر
 کو زخمی ہونا پڑا۔ جو اس وقت بھی اس کے فلیٹ میں پڑا تھا۔ کیپٹن بابر قریب
 ہی بیٹھا کافی پی رہا تھا۔ جو چند لمبے پیٹیر سلیمان نے بنا کر دی تھی۔
 ”آپ کا اس واقعہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ کیپٹن بابر نے
 عمران کو مخاطب کیا۔

”ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ جب تک کہ مجرموں کا اصل مشن سامنے نہ آئے؛
عمران نے پھر سوچ انداز میں کہا۔“

اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ عمران نے اگلے گریٹیلیفون کا ریسپور

اٹھایا اور بولا: ”یس۔ علی عمران بول رہا ہوں۔“

”سلطان بول رہا ہوں عمران بیٹے۔“ دوسری طرف سے سرسلطان

کی آواز سنائی دی۔

”سلاما لیکم۔“ عمران نے یکدم احمقانہ لہجہ اختیار کر لیا۔

”میں تمہیں ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں۔“ سرسلطان کی آواز میں
پریشانی کا عنصر تھا۔

”اوہ۔۔۔ کیسی اطلاع۔۔۔؟“ عمران نے چونک کر کہا۔ جانتا تھا کہ سرسلطان
نے کبھی بلاوجہ فون نہیں کیا۔

”کچھ دیر پہلے امور خارجہ کے وزیر شوکت علی کو ایک پراسرار پیغام ملا تھا۔

اس وقت وہ کار سے اتر کر دفتر میں داخل ہو رہے تھے۔ پیغام کسی غیر مرئی
قوت نے دیا ہے جو وزیر صاحب کو نظر نہیں آئی۔ صرف آواز سنائی دی
تھی۔“ سرسلطان نے بتایا۔

”پیغام شادی کا تو نہیں تھا۔؟“ عمران نے سرسلطان کے خاموشی
ہونے ہی پوچھا۔

”سنجیدہ رہو۔“ سرسلطان کا لہجہ سخت تھا۔ ”انہیں کہا گیا کہ سربراہ

حکومت کو کہہ دینا کہ تین دن کے اندر اندر حکومت چھوڑ دے۔ پیغام
دینے والے نے اپنا نام ڈاکٹر شیطان بتایا تھا۔ اس نے وزیر صاحب کو
حکم دیا کہ اس کا پیغام فوراً صدر کو پہنچا دیا جائے۔“

لمحہ بہ لمحہ حرکت کرتی ہوئی ستر کے ہند سے پرہیزہ بننے لگی۔ عمران کے رفتار بڑھاتے ہی پچھلی کار کی رفتار بھی بڑھ گئی۔ اور یکدم بڑھ جانے والا فاصلہ تیزی سے کم ہونے لگا۔ عمران سمجھ گیا کہ ٹویوٹا اب اس کے آگے نکلنے کی کوشش کرے گی۔ شاید وہ عمران کو روکنا چاہتے تھے۔ عمران نے رفتار کم کر دی۔ چند لمحوں بعد ٹویوٹا کار اس کے پاس سے گزرتی چلی گئی اور آگے جا کر ٹرک پر ترچھی ہو کر رک گئی۔ عمران نے بھی فوراً بریک پیڈل دبا دیا اور اس کی ٹویوٹا سے چند گز پیچھے جا کر کی۔ ٹویوٹا کے رکتے ہی اگلے اور پچھلے دروازوں سے چار آدمی اترے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں سیاہ رنگ کے ریواور تھے۔ جن کی نالوں پر سائینسز دکھائی دے رہے تھے۔

عمران کی کار رکتے ہی وہ تیزی سے اس کی طرف بھاڑے۔ اور دو دو ہو کر عمران کی کار کے ارد گرد پہنچ گئے۔ ڈرائیونگ سیٹ والے دروازے کے پاس رکنے والوں میں سے ایک نے عمران کو حکم دیا۔ ”نیچے اترو۔“ عمران نے غور سے ان کا جائزہ لیا۔ تین آدمی سفید فام تھے البتہ۔ چوتھا آدمی اپنے ہی ملک کا دکھائی دیتا تھا۔ شاید عمران نے اسے پہچان لیا۔ دیکھا تھا۔ کیونکہ اس کی شکل عمران کو شناسا محسوس ہو رہی تھی لیکن اسے یاد نہ آ سکا کہ اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا ہے۔ چاروں کا بغور جائزہ لے کر عمران نے حکم دینے والے پر نظر پگڑ دیں۔

”کون ہو تم۔“ اور مجھے اس طرح روکنے کا مقصد۔“ عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

”تم ہمیں نہیں جانتے لیکن ہم تمہیں جانتے ہیں۔ شاید اتنا ہی تعارف کافی ہے۔“

سفید فام نے ہنس کر کہا: ”اور روکنے کا مقصد یہ ہے کہ تم چپ چاپ کوئی غلط حرکت کئے بغیر کار سے پیچھے اتر آؤ۔“

”اچھا۔ کوشش کرتا ہوں۔“ عمران نے کہا اور خاموش ہو گیا۔ سفید فاموں نے چند لمحے انتظار کیا لیکن جب عمران اپنی جگہ سے اُس سے اُس سے مس نہ ہوا۔ تو عمران سے بات کرنے والے کا پارہ چڑھ گیا۔

”میں کہتا ہوں باہر نکلو۔“ وہ غر آیا۔
 ”کیسے نکلوں۔ تم نے کہا ہے کہ کوئی حرکت کئے بغیر نکلوں۔“ عمران نے مسکین سی شکل بنا کر کہا۔ لیکن حرکت کئے بغیر میں نہیں نکل سکتا۔“
 ”شاید تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں۔ سفید فام دانت پیس کر بولا۔
 ”آخری بار کہتا ہوں کہ باہر نکل آؤ ورنہ یہ ریو الوور بے آواز ہے۔“
 ”اے۔ اے۔“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ”کیوں جھوٹ بولتے

ہو یا یہ۔“ کیا ریو الوور بھی کبھی بے آواز ہوا کرتے ہیں۔“
 عمران کی احمقانہ بات سن کر باقی تینوں مسکرنے لگے لیکن اس سفید فام پر عمران کے لہجے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اس نے ریو الوور کا رخ عمران کی طرف کر دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ ٹرگید دیتا۔ عمران ہاتھ اٹھا کر چیخا۔
 ”رہنے دو یا۔“ مجھے یقین ہے کہ تمہارا ریو الوور بے آواز ہے۔ لہذا میں تمہارا حکم ماننے کے لئے تیار بلکہ ہوشیار ہوں۔“

آخری الفاظ کے ساتھ ہی عمران نے یکدم دروازہ باہر کی جانب دھکیل دیا اور دونوں سفید فام اچھل کر پشت کے بل جا گرے۔ اس کے ساتھ ہی عمران نے کار سے نکل کر اُن پر چھلانگ لگا دی۔ اور پھر اُن سے پہلے کہ دوسری طرف کھڑے دونوں اس کی طرف پکے۔ عمران

لڑنے والوں والوں میں سے اس سفید فام کو اپنے ٹکنبہ میں جکڑ چکا تھا
 جواب تک اس سے گفتگو کرتا رہا تھا۔ سیدھے کھڑے ہو کر عمران
 نے اس کا منہ دوسری طرف کر کے ایک بازو اس کی گردن میں مائل کر دیا
 باقی دونوں سفید فام جو تیزی سے اس کی طرف جھپٹے تھے اپنے ساتھی کو
 اس کے ٹکنبہ میں دیکھ کر ابھی قدموں پر رک گئے۔ چوتھا فرش پر
 پڑا اپنا گھٹنا سہلا رہا تھا۔ کیونکہ دروازہ تیزی کے ساتھ اس کے گھٹنے
 سے ٹکرایا تھا۔ اور یہ وہی آدمی تھا۔ جسے عمران پہلے کہیں دیکھ چکا تھا۔
 اپنے ساتھی کی خیریت چاہتے ہو تو یہ بوا اور پھینک دو۔
 عمران نے سفید فام کی گردن پر بازو کا دباؤ بڑھاتا ہوا غرایا۔
 یہ جبارت تمہیں مہنگی پڑے گی۔ ان دونوں نے عمران کو خوشخوار
 نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔
 وہ بعد کی بات ہے۔ پہلے تو تم یہ بوا اور پھینک کر ہاتھ مر سے
 بند کر لو۔ عمران نے مسکرا کر کہا۔
 تم نہیں جانتے عمران کہ ہم لوگ کتنے خطرناک ہیں۔ بہتری اسی میں
 ہے کہ خود کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس آدمی نے مشورہ دیا۔
 ہشت اپ۔ ہینڈز اپ۔ عمران درندوں کی طرح غرایا۔
 کہا میں تمہارے ساتھی کی گردن توڑ دوں۔
 ان دونوں نے گھبرا کر بوا اور عمران کے قدموں کے قریب پھینک
 دیئے۔ پھر انہوں نے ہاتھ بھی بند کر لئے۔ عمران کے ہونٹوں پر زہریلی
 سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن اسی لمحے اس کے بازو میں پھنسے ہوئے
 سفید فام نے اپنی کہنی بڑے زور سے عمران کے پیٹ میں دے ماری۔

عمران کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور ایک لمحے کے لئے اس کی گرفت سفید فام پر ٹھہریلی ہو گئی۔ دوسرے ہی لمحے سفید چمکتی مچھلی کی طرح اس کی گرفت سے نکل گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ عمران ہوشیار ہوتا ان تینوں نے عمران پر دھاوا بول دیا۔



پرسٹن کے بارونق چوراہے پر ایک اسٹیشن وگن آکر رکی اور اس کا بچھلا دروازہ کھول کر طویل قامت ایٹمی انسان اترنے لگے۔ وگن سے اترتا تر کر وہ چوک میں جمع ہونے لگے۔ چاروں طرف سے آتی ہوئی ٹریفک رکنے لگی۔ ایٹمی انسانوں کی تعداد دس تھی۔ چوک میں کھڑا ٹریفک سارجنٹ دسل بجانے لگا۔ لیکن ایٹمی انسان چوک میں ہی کھڑے رہے۔ سارجنٹ جھلاتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔ جونہی وہ ان کے قریب پہنچا ایک ایٹمی انسان نے اسے جھپٹ کر ہاتھوں پر اٹھایا اور بلند کر کے ایک کار پر دے مارا۔ سارجنٹ کا جسم کار سے ٹکرایا اور ٹرک پر آگرا۔ اس کی کھوپڑی پھٹ گئی تھی۔ دیکھنے والوں کے منہ سے بے اختیار چیخیں نکل گئیں۔ پھر ایٹمی انسان تیزی سے ارد گرد کھڑی کاروں کی طرف بڑھنے لگے۔ لوگوں نے بدحواس ہو کر کاریں بیک کرنے لگیں۔

کوشش کی اور اس افراتفری میں گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرنے لگیں۔ پھر لوگ گاڑیوں سے اتر اتر کر بھاگنے لگے۔

چند لمحوں میں وہاں ایٹمی انسانوں اور گاڑیوں کے سوا کوئی جاندار باقی نہ رہا۔ ایٹمی انسان تھپتھپے لگانے لگے۔ انہوں نے جیبوں سے چھوٹی چھوٹی گولیاں نکالیں اور گاڑیوں کی طرف اچھالنے لگے۔ گولیاں گاڑیوں سے ٹکراتیں اور ہولناک دھماکوں سے پھٹ جاتیں۔ گاڑیاں تباہ ہونے لگیں اور وہاں آگ اور دھواں پھیلنے لگا۔ اسی وقت سائرن بجاتی ہوئی پولیس گاڑیاں وہاں پہنچنے لگیں۔ لیکن ایٹمی انسان ان کی آمد سے لاپرواہ گاڑیاں تباہ کرتے رہے۔ پولیس کی گاڑیوں سے سپاہی اترے اور ایٹمی انسانوں پر فائرنگ کرنے لگے۔ لیکن ان کی چلائی ہوئی گولیاں بیکار جا رہی تھیں کیونکہ کوئی بھی انسان زخمی نہیں ہو رہا تھا۔

پھر ایٹمی انسان تیزی سے فائرنگ کرنے والے سپاہیوں کی طرف بڑھنے لگے۔ اور سپاہی گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگے۔ وہ فائرنگ کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے۔ اور ایٹمی انسان اطمینان سے ان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک ایٹمی انسانوں نے تباہی پھیلانے والی گولیاں سپاہیوں پر پھینکنا شروع کر دیں۔ دھماکوں کے ساتھ سپاہیوں کی لاشیں گرنے لگیں۔ چند لمحوں میں فائرنگ کرنے والے ختم ہو گئے۔ کچھ نے پولیس گاڑیوں میں فرار ہونے کی کوشش کی لیکن وہ گاڑیاں بھی دھماکوں کے ساتھ تباہ ہونے لگیں۔ اس وقت پرنسٹن چوک میں قیامت کا سماں تھا۔ ارد گرد کی عمارتوں کے لوگ کھڑکیوں اور

دروازوں سے اس تباہی کا منظر دیکھ رہے تھے لیکن ان میں سے کسی میں جرأت نہیں تھی کہ باہر نکل سکتا۔ باہر نکلنا موت کو دعوت کے مترادف تھا۔

اب ایک بار وہاں پرایمی انسانوں کی حکومت تھی۔ لیکن اس بار ایمی انسان چوک میں نہیں رکے تھے بلکہ وہ ارد گرد کی عمارتوں اور کانوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انہیں اپنی طرف آتا دیکھ کر دکانوں میں کھڑے لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ ایمی انسان اطمینان سے دکانوں کے قریب پہنچے اور دھماکوں والی گولیاں اندر پھینکنے لگے۔ دوسرے چھ سسل دھماکوں کے ساتھ دکانیں تباہ ہونے لگیں۔ نجانے ان گولیوں کا کیا اثر تھا کہ ہم سے بھی زیادہ تباہ کن ثابت ہو رہی تھیں۔ بلاشبہ اس وقت وہاں آگ اور خون کا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ چند منٹوں میں وہاں تباہ شدہ عمارتوں کا ملبہ دکھائی دینے لگا۔ اسی وقت ایک بار پھر وہاں پولیس کی گاڑیاں رکنے لگیں۔ اور ایمی انسانوں پر فائرنگ ہونے لگی۔ لیکن پہلے کی طرح اب بھی ایمی انسانوں پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ پھر ایمی انسان پولیس کی گاڑیوں پر تباہ کن گولیاں پھینکنے لگے اور پولیس کی گاڑیاں دھماکوں سے تباہ ہونے لگیں۔ ان میں بیٹھ کر فائرنگ کرنے والے سپاہی سے آنے کی کوشش میں زندگی سے لڑتے دھو بیٹھے۔ ایمی انسان چاروں طرف سے ان پر تباہ کن گولیاں پھینک رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد ایمی انسان واپس مرے آن کا رخ اسٹیشن وگن کی طرف تھا جو اس تباہی سے بچی ہوئی تھی۔ اور اس کی اگلی سیٹ پر جیک بیٹھا ہوا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ کوئی نے سنبھالی ہوئی تھی۔

ایسی انسان واپس آ کر دگین کے پچھے دروازے سے دگین میں سوار ہوئے۔ اور ٹوٹی نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی۔



بلیک زیرو ٹائٹنگ اور دھماکوں کی آوازیں سنیں تو گاڑی کارخ پر نشن کی طرف کر دیا۔ لیکن اُسے گاڑی چوک سے کافی پیچھے روکنا پڑی۔ کیونکہ اس سے آگے وسیع پیمانے پر تباہی مچی ہوئی تھی۔ ٹائٹنگ کی آوازیں بند ہو چکی تھیں اور چوک میں کھڑی گاڑیاں جل رہی تھیں۔ چوک میں سے دس کے قریب قد آور آدمی گزر کر بائیں جانب کھڑی اسٹیشن وگن کی طرف دوڑ رہے تھے۔ بلیک زیرو دو پہر کو چھپنے والے خصوصی ٹیمپوں میں صبح کا واقعہ پڑھ چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ آدمی ہی اس تباہی کے ذمہ دار ہیں۔ اس نے چند لمحے سوچا۔ اس دوران اسٹیشن وگن میں وہ قد آور آدمی سوار ہو چکے تھے۔ پھر بلیک زیرو کو اسٹیشن وگن اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ چند لمحوں میں اسٹیشن وگن اس کے قریب سے گزر گئی۔

بلیک زیرو نے فوراً کار بلیک کی اور پھر اسٹیشن وگن کے پیچھے چل پڑا۔ اسٹیشن وگن کارخ شہر کے غیر معروف علاقے کی طرف تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد وگین چوہان سوسائٹی کی طرف مڑ گئی۔ یہ ایک ماڈرن کالنی تھی۔ اور کچھ عرصہ پہلے ہی آباد ہوئی تھی۔ کالنی میں داخل ہونے کے کچھ دیر بعد وگین ایک کوٹھی کے گیٹ پر رکی۔ بلیک زیرو نے اپنی کار کافی پیچھے روک لی۔ وگین سے ہارن بجایا گیا۔ چند لمحوں بعد گیٹ کھلا اور اسٹیشن وگین اندر چلی گئی۔ گیٹ دوبارہ بند ہو گیا۔ بلیک زیرو نے کار دوبارہ آگے بڑھا دی اور اس کو کوٹھی کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے گیٹ کی طرف دیکھا۔ گیٹ پر لگی تختی پر ستائیس کا ہندسہ نظر آ رہا تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ کوٹھی کا نمبر ستائیس ہے۔ بلیک زیرو نے کچھ دور جا کر کار روکی۔

جلدی سے اس نے ٹرانسمیٹر واپس کاؤنڈن باہر کی طرف کھینچا۔ اور کسی کی فریکوئنسی سیٹ کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد کسی کا سبز نکتہ روشن ہو گیا۔

ہیلو۔ ہیلو خاور۔ ایکسٹو کالنگ۔۔۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

ہیس۔۔۔ خاور اسٹینڈنگ اور۔۔۔ دوسری طرف سے خاور کی چاک وچو بند آواز سنائی دے۔
”کہاں ہو اس وقت۔۔۔ اور۔۔۔“ بلیک زیرو نے ایکسٹو کے لہجے میں پوچھا۔

”سر۔۔۔ پرنسٹن پر صبح کی طرح پھرا بیٹی انسانوں نے تباہی پھیلانی ہے۔ میں اس وقت پرنسٹن چوک میں ہوں۔ مکمل جائزہ لینے کے بعد میں آپ کو کال کرنے والا تھا۔ اور۔۔۔ خاور نے کہا۔

”میں اس واقعے سے آگاہ ہوں۔ تم فوراً جواہر سوسٹلی پہنچو۔ وہاں
تیسری لائن کی سٹائیس نمبر کوٹھی کی نگہبانی کرو۔ اگر کوئی کہیں جائے تو
تو اس کا تعاقب کرو گے۔ یاد رہے کہ اس کوٹھی میں چند لمحے پیشتر وہ
ایٹنی انسان داخل ہوئے ہیں جنہوں نے پرنسٹن چوک پر تباہی پھیلاتی
ہے۔“ بلیک زیرو نے اسے ہدایت کرتے ہوئے کہا۔ بس۔
اور سٹینڈ آف۔“

گھڑی کا ونڈن اندر کی طرف دبا کر بلیک زیرو نے زیر لب اسٹیشن
ویگن کا نمبر دہرایا۔ اور پھر واپس شہر کی طرف چل پڑا۔ شہر میں داخل
ہو کر اس نے ایک پبلک فون بوٹھ کے سامنے کارڈ کی اور اتر کر
بوٹھ میں داخل ہو گیا۔ سکے ڈال کر اس نے دھکیل رجسٹریشن آفس کے
نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے انکو اڑنی کلرک نے فون ریسو کیا۔
”میں کیپٹن فیاض بول رہا ہوں۔“ بلیک زیرو نے کیپٹن فیاض
کی آواز میں کہا۔ ”ایک اسٹیشن ویگن کے بارے میں معلومات حاصل
کرنا چاہتیں۔ نمبر نوٹ کرو ایف آر تھری ڈبل اوسیون۔ معلوم کرو کہ
یہ کس کی ملکیت ہے۔“

”ایک منٹ ہولڈ کریں جناب۔ ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں۔“ کلرک
کے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

بلیک زیرو انتظار کرنے لگا۔ پھر ایک منٹ پورا ہوتے ہی کلرک
کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”جناب اس نمبر کی ویگن مسٹر ہارڈی نامی شخص کی ملکیت ہے۔“
”کیا پتہ بھی بتا سکتے ہو۔“ بلیک زیرو نے چونکتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔ ہارڈی سنیک بار۔“ کلرک نے بتانا چاہا۔

”بس بس۔ شکریہ۔“ بلیک زیرو نے تیزی سے کہہ کر ریسپور
 کر بیڈل پر رکھ دیا۔ ہارڈی سنیک بار اس کی دیکھی ہوئی جگہ تھی۔ اوہ اس
 کا مالک ہارڈی بھی بلیک زیرو کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ شہر کے بد معاش
 اور غنڈے اسی کے بار میں جمع رہتے تھے۔ ہارڈی خود بھی اول درجے
 کا غنڈہ تھا۔ پولیس کی کافی سرحصہ سے اس پر نظر تھی لیکن اسکے ہاتھ کافی لمبے
 تھے۔ اس لئے آج تک پولیس اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکی تھی۔ ہارڈی کے
 بار میں دھڑلے کے ساتھ جوا ہوتا تھا اور قانون شکنی کرنے والے وہیں
 بیٹھ کر پلان بنایا کرتے تھے۔ خود ہارڈی نے غنڈوں کی فوج پال رکھی
 تھی۔ بیرے سے لے کر منیجر اور باورچی تک سب جرائم پیشہ افراد تھے۔
 وہ دوبارہ کار میں آ بیٹھا۔ اس بار اس کا رخ ہارڈی کے شراب خانے
 کی طرف تھا۔ ہارڈی کا شراب خانہ بنیک اسکوٹر سے کچھ آگے تھا، اس
 منٹ کے بعد وہ وہاں پہنچ گیا۔ کار اس نے شراب خانے سے کافی پیچھے ہی
 روک لی۔ ٹرک کے کنارے کار کو کھڑا کر کے اس نے کار کے چاروں دروازے
 لاک کئے۔ ٹائی کھول کر اس نے گلے میں ریشمی رومال باندھا اور کپڑوں پر
 سلوٹ پیدا کرتا ہوا شراب خانے کی طرف بڑھنے لگا۔ شراب خانے
 میں داخل ہونے سے پہلے سستے مشرابیوں والا حکلیہ ضرور تھا۔ بار کے
 قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور پھر اندر داخل ہو گیا۔ بار میں
 اس وقت چودہ پندرہ گاہک بیٹھے تھے اور فننا میں الکوہل اور چرس کی
 بو رچی ہوئی تھی۔ دائیں طرف کاؤنٹر کے پیچھے لمبی لمبی مونچھوں والا بارمن
 کھڑا بلیک زیرو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دو تین بیرے بھی کاؤنٹر کے

پاس کھڑے تھے۔

بلیک زیرو بار کا مکمل جائزہ لے کر کونے کی ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس میز کے قریب ہی لکڑی کا گلازہ کھا تھا جس میں لمبی پیوں والا پودا لگا ہوا تھا۔ بلیک زیرو کہسی پر بیٹھا ہی تھا کہ ایک ویٹر اس کی میز کے قریب پہنچ گیا۔ ویٹر کے چہرے پر زخموں کے متعدد نشان تھے۔ کے جرائم پیشہ ہونے کا پتہ دے رہے تھے۔ دائیں گال پر کان سے ذرا نیچے کی طرف سیاہ مسہ تھا اور آنکھوں میں سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ کیا لاؤں صاحب —؟ اس نے بلیک زیرو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”اسکاچ کا پیگ لاؤ۔“ بلیک زیرو نے کہا۔ ”تھوڑی سی برت بھی لے آنا۔“

ویٹر سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ لیکن بلیک زیرو کے ذہن میں پھٹ پھٹ ہونے لگی۔ اس نے ویٹر کی سرخ آنکھوں میں اپنے لئے شک و نفرت کے تاثرات دیکھے تھے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ بلیک زیرو کو پولیس والا سمجھ رہا ہو۔ یا پھر اسے شہری بابو سمجھا ہو جو شراب نوشی کو معمولی کھیل سمجھ کر یہاں آ گیا ہو۔ بہر حال کوئی بات تھی ضرور۔ چند لمحوں بعد ویٹر آیا اور شراب کا پیگ میز پر رکھنے لگا۔

”کیوں دوست — کیا یہاں قریب ایسا رہائشی ہوٹل بھی ہے جہاں آسانی سے کمرہ مل جائے۔“ بلیک زیرو نے یکدم پوچھا۔
 ”اوہ — کہیں باہر سے آئے ہو —؟“ ویٹر چونک کر بولا۔
 ”ہاں — آج ہی راجگڑھ سے آیا ہوں —“ بلیک زیرو

نے بتایا۔

”یہاں قریب میں تو کوئی ریسٹورانٹ نہیں ہے“ ویٹر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

ادہ — پھر تو بڑی پریشانی ہوگی مجھے — کیا تمہارے بار میں بھی کرائے کے کمرے ہیں —“

”نہیں — یہاں صرف شراب ملتی ہے۔ ویسے میں بار کے مالک مسٹر ہارڈی سے بات کرتا ہوں —“ ویٹر نے جلدی سے کہا شاید وہ آج کی رات تمہیں یہاں گزارنے دیں —“

”پھر تو بڑی اچھی بات ہے — کہاں ہیں مسٹر ہارڈی — میں خود ہی ان سے دریافت کرتا ہوں —“ بلیک زیرو نے اٹھتے ہوئے کہا ”نہیں نہیں — تم بھیٹو — میں ابھی ان سے بات کر کے آتا ہوں۔“

ویٹر نے کہا ادر واپسی کے لئے مرگیا۔ پھر بلیک زیرو نے اسے ایک راہداری میں گم ہوتے دیکھا۔ وہ بھی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور تیز قدموں سے چلتا ہوا کاؤنٹر پر آیا۔ پھر اس نے موچھول والے کاؤنٹر کلرک سے فون کرنے کی اجازت لیکر جولیاء کے نمبر ڈائل کئے۔

”یس — جولیاء ہیراز —“ دوسری طرف سے جولیاء کی آواز سنائی دی۔

”جولیاء! بلیک زیرو لہجہ بدل کر بولا۔ تاکہ جولیاء اس کی آواز بطور

ایکسٹوشناخت کر لے۔ کیپٹن بابر کو یہاں بھیج دو۔“

یہ کہہ کر بلیک زیرو نے کوڈورڈز میں ہارڈی کے شراب خانے کا پتہ بتایا اور کہا۔ ”موجودہ رہنما ہونے والے واقعات میں اس مقام کو اہمیت حاصل ہے۔ باقی ہدایات عمران سے ملنا۔“ یہ کہہ کر بلیک زیرو

نے ریسپور کر ٹیل پر ڈال دیا۔ اور کاؤنٹر کلرک کا شکریہ ادا کرتا ہوا واپس اپنی میز پر آ بیٹھا۔ چند لمحوں بعد وٹیر واپس آتا دکھائی دیا۔ قریب پہنچ کر وہ کہنے لگا۔

”چلو بھئی۔ تمہارا کام ہو گیا ہے۔ باس نے تم سے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ آؤ میرے ساتھ۔“

بلیک زیرو نے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کئے جسے اسے وٹیر کی بات سنکر خوشی ہوئی ہو۔ وہ اٹھا اور وٹیر کے ساتھ چل پڑا۔ وٹیر اسے ساتھ لئے کاؤنٹر کے بائیں طرف بنی راہداری میں داخل ہوا۔ راہداری میں کئی کمرے تھے۔ وٹیر ایک کمرے کے دروازے پر رکا اور آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ۔“ اندر سے کسی کی غرائٹ آ مینر آواز سنائی دی۔ وٹیر نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ اس کے پیچھے بلیک زیرو بھی اندر داخل ہوا۔ سامنے ایک آہنی ٹیبل کے پیچھے کرسی پر سیاہ فام شخص نظر آیا۔ جس کی آنکھیں کافی موٹی تھیں۔ سر کے بال افریقیوں جیسے تھے۔ اور اس نے نیلے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ بلیک زیرو نے اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ ہارڈی تھا۔ لیکن بلیک زیرو نے چہرے پر شٹا سائی کے تاثرات ظاہر نہ ہونے دیئے۔ ہارڈی نے بھی بلیک زیرو کو بغور دیکھا اور اپنے سامنے پٹری کرسی کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کو کہا۔ بلیک زیرو خاموشی سے بیٹھ گیا۔

”اس وٹیر نے تمہاری سفارش کی ہے۔“ ہارڈی کھر درے لہجے میں کہنے لگا۔ ”ہم اجنبیوں کو یہاں نہیں رہنے دیتے۔ لیکن تم چونکہ

اس شہر صبر کے لئے اجنبی معلوم ہوتے ہو اس لئے میں نے تمہیں آج کی رات یہاں قیام کے لئے جگہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔“

”میں اس کے لئے آپ کا شکر گزار ہوں۔“ بلیک زیرو نے کہا۔

”تمہارا نام ہارڈی نے پوچھا۔“

”سجاد احمد۔“ بلیک زیرو نے فرضی نام بتایا۔

”مستر سجاد۔ یہاں تم صرف ایک رات کے لئے یہاں ٹھہرو گے۔ لیکن تمہیں اپنے پاس کسی قسم کا اسلحہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس ریوالور وغیرہ ہے تو میرے پاس جمع کرا دو۔ جب واپس جانا لیتے جانا۔“

بلیک زیرو نے ایک لمحہ کے لئے سوچا۔ وہ یہاں ایک رات رہ کر بہت کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ اس لئے ریوالور ہارڈی کے حوالے کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس نے جیب سے ریوالور نکالا اور ہارڈی کے سامنے میز پر ڈال دیا۔ ہارڈی نے ریوالور اٹھا کر اس کا میگزین چیک کیا اور میز کی دراز میں رکھ دیا۔ پھر اس نے بلیک زیرو کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اب تم جا سکتے ہو۔“

”وڈیر۔“ مسٹر سجاد کو ان کے کمرے میں پہنچا دو۔“ ہارڈی نے وڈیر کو مخاطب کر کے کہا۔

بلیک زیرو خاموشی سے اٹھا اور وڈیر کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ باہر نکل کر ہارڈی کے کمرے کے ساتھ والے کمرے کے دروازے پر کڑکا۔

”آپ اس کمرے میں قیام کریں گے۔ دروازہ کھلا ہے۔ کسی چیز کی ضرورت

پڑے تو گھنٹی بجار بیجئے گا۔" ویٹر نے کہا۔ اور واپس موگیا۔ ایک زبرد
اس کے راہداری سے نکل جانے کے بعد کمرے کا دروازہ کھول کر اندر
داخل ہوا لیکن دوسرے کالجھے اس کے کمرے کے پچھلے حصے پر قیامت ٹوٹ
پڑی اور وہ چکارا کر فریادیں پر گر پڑا۔



عمران ایک لمحے کے لئے بوکھلا گیا اور اسے سفید
ناموں کے چار پانچ گھونٹے اپنے جسم کے مختلف حصوں پر سہنا پڑے
ان گھونٹوں نے اس کے جسم میں شرارے سے بھر دیئے۔ دوسرے ہی
لحے اس نے سر کو وحشیانہ انداز میں دائیں بائیں جھٹکا اور دو سفید فام
اپنا منہ پکڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ تیسرے کپیٹ میں عمران نے گھٹنا
رسید کیا اور وہ پیٹ پر ہاتھ رکھے جھٹکا ہوا چلا گیا۔ اوپر سے عمران
نے اس پر دو ہتھ رسید کیا اور وہ منہ کے بل سڑک پر گر پڑا۔ اس وقت
دونوں سفید ناموں نے ایک بار پھر عمران پر حملہ کر دیا۔ عمران نے تیزی
سے پینتڑا اٹھلا اور ایک کے منہ پر گھونٹ رسید کر دیا۔ وہ اٹھ کھڑا کر
پیچھے ہٹا۔ دوسرے کا گھونٹ عمران کے پہلو میں پڑا۔ عمران نے فوراً ہی
اکڑا کر ناک پر زوردار مکر رسید کیا۔ اور وہ بلبلا تا ہوا نیچے بیٹھ گیا۔

اسی وقت چوتھے ویسی آدمی نے عمران کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔ عمران منہ کے بل نیچے آ رہا۔ لیکن نیچے گرتے ہی اس نے ٹانگوں کو زبردست جھٹکا دیا۔ اور اس کی ٹانگیں ویسی آدمی کی گرفت سے آزاد ہو گئیں۔ لیکن ابھی وہ اٹھتے بھی نہیں پایا تھا کہ ایک سفید قام نے اس کے پہلو میں ٹھوکر رسید کر دی۔ عمران کو اپنے پہلو میں زبردست تکلیف محسوس ہوئی۔ سفید قام نے دوسری ٹھوکر مارتا چاہی مگر عمران نے تیزی سے کروٹ لی اور خود کو بچا لیا۔ اور اس آدمی کی ٹانگ ہوا میں لہرا کر رہ گئی۔ اسی لمحے عمران کے دائیں طرف کھڑے سفید قام نے عمران کے چہرے پر ٹھوکر رسید کر دی، لیکن ٹھوکر منہ پر لگنے سے پہلے ہی عمران نے اس کے پاؤں کو پکڑ کر جھٹکا دیا اور اس آدمی کی اذیت ناک چیخ کوچ اٹھی۔ پھر عمران جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اٹھتے ہی اس نے ویسی آدمی کے پہلو میں کھڑی پھیلی کا وار کیا۔ ویسی آدمی چختا ہوا گر پڑا اور پھر نہ اٹھ سکا۔ عمران تیزی سے پٹا اور ان تینوں سفید قاموں کے سر سے نکل گیا جو اس پر بیک وقت حملہ کرنے کے لئے جھپٹے تھے۔ نتیجے میں وہ تینوں آپس میں شکر لگے۔ لیکن تیزی سے وہ پھر عمران کی طرف پلٹے اور حملہ کر دیا۔ جونہی وہ عمران پر حملہ آور ہوئے عمران نے ایک کے پیٹ میں گھونہ رسید کیا اور دوسرے کے جڑے کو سہلاتے ہوئے اس نے تیسرے کے سینے پر فلائنگ لگ رسید کر دی۔ ٹھوکر کھا کر وہ آدمی کار کے بونٹ سے جا ٹکرایا۔ باقی دو نے پھر عمران سے لپٹنا چاہا لیکن اب عمران حماقت کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس نے تیزی سے ایک آدمی کو گھر لادا اور سڑک پر دے مارا۔ سڑک پر گرتے ہی اس آدمی کے منہ سے

طویل جینج نکلی۔ شاید اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ دوبارہ نہ اٹھ سکا۔ تیسرے نے تیری سے ریوالور اٹھانے کی کوشش کی لیکن ہی لمحے عمران کی نظر اس پر پڑ گئی۔ عمران نے فوراً ہی اس پر چھلانگ لگائی اور اسے دھکیلتا ہوا ریوالور سے دور لے گیا۔

پھر اس نے تیری سے کھڑی ہتھیلی کا دار اس کی گردن پر کیا اور سفید فام کی گردن ٹوٹ گئی۔ وہ مردہ چھپٹی کی طرح سڑک پر گر پڑا۔ عمران نے جلدی سے ریوالور اٹھالیا اور اس کا رخ چوتھے آدمی کی طرف کر دیا جو اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔

”رنگ جاؤ۔“ عمران چیخا۔ ”ورنہ گولی مار دوں گا۔“

وہ شخص بوکھلا کر رک گیا اور اس نے ہاتھ بھی بند کر لئے۔ پھر اس سے پہلے کہ عمران اس کی طرف بڑھتا، ایک اسٹیشن وگن اسے اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ وگن کی رفتار بہت تیز تھی اور وہ شہر کی طرف سے آرہی تھی۔ جلد ہی وہ قریب پہنچ گئی۔ عمران نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ وگن والے اس کے دوست نہیں ہو سکتے تھے اس نے سفید فام کی طرف رخ کر کے ٹریگر دیا دیا۔ ریوالور پر سائیکسٹریٹ تھا۔ سفید فام کے سینے پر گولی لگی اور وہ جینج مار کر سڑک پر گر پڑا۔ اسی لمحے وگن عمران کی ٹوسیٹر کے پیچھے آ رہی۔ اور عمران نے فوراً ہی سڑک کے نشیب میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے چھلانگ لگاتے ہی ایک فائر ہوا اور گولی عمران کے پیہویں سے گزر گئی۔ عمران جسم کو لہراتا ہوا نشیب کے درختوں کی طرف دوڑا اور پھر ایک چوڑے تنے کے پیچھے جا رکا۔ وگن کے اگلے دروازے سے ایک سفید فام اتر رہا تھا۔ جبکہ

پچھلے دروازے سے پانچ طویل القامت انسان اتر کر اس کے قریب پہنچ چکے تھے۔ سفید فام کے ہاتھ میں ریوا اور ہتھ لیکن قد اور آدمیوں کے ہاتھ خالی تھے۔ انہیں دیکھتے ہی عمران کی آنکھوں کے سامنے وہ بلیٹ پروف آدمی گھوم گیا جس پر صفر نے حملہ کیا اور زخمی ہو گیا تھا۔ یعنی وہ ایٹمی انسان تھے۔

”بیچے دیکھو — وہ کہیں چھپا ہوا ہوگا۔ اسے ہر قیمت پر تلاش کرو۔“ سفید فام نے ایٹمی انسانوں کو حکم دیا۔ اور وہ پانچوں نشیب میں اترنے لگے۔ عمران نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر ان میں سے ایک کی آنکھ کا نشانہ لیکر فائر کر دیا۔ گولی ایٹمی انسان کی آنکھ میں لگی اور وہ زبردست دھماکے ساتھ پھٹ گیا۔ اس کے جسم کے ٹکڑے دور دور تک پھیل گئے۔ جس جگہ وہ پھٹا تھا وہاں گرد و غبار پھیل گیا۔ باقی چاروں ایٹمی انسان جو علیحدہ علیحدہ ہو کر آگے بڑھ رہے تھے ایک لمحے کے لئے ٹرک گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ چونکہ عمران نے سائینسر لگے ریوا اور سے فائر کیا تھا۔ اس لئے وہ سمت کا تعین نہ کر سکے۔

”دیکھو — وہ کسی درخت کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔“ سڑک پر کھڑے سفید فام نے چیخ کر کہا۔

چاروں ایٹمی انسان آہستہ آہستہ درختوں کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک ایٹمی انسان تو عمران سے چند گز کے فاصلے پر پہنچ گیا تھا۔ عمران نے اسے قریب دیکھا تو فوراً ہی اس کی بائیں آنکھ کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ گولی آنکھ میں لگتی ہی ایٹمی انسان کا جسم زبردست دھماکے کے ساتھ

بھٹ گیا۔ اور عمران دوڑ کر وہاں سے کچھ دُور ایک اور درخت کی جانب
 جا چھپا۔ شاید اُسے شرک پر کھڑے سفید فام نے دوڑنے دیکھ لیا
 تھا کیونکہ فوراً ہی اس نے چیخ کر ایٹمی انسانوں سے کہا تھا۔
 ”وہ اس طرف ہے۔ ایٹمی گولیاں استعمال کرو۔ آگ لگا دو درختوں
 میں۔“

بقیہ تینوں ایٹمی انسان سفید فام کا حکم سنتے ہی اس طرف بڑھے
 جدھر کا سفید فام نے اشارہ کیا تھا۔ پھر وہ جیب سے چھوٹی چھوٹی
 سفید رنگ کی گولیاں آگے کی طرف پھینکنے لگے۔ گولیاں دھماکوں سے
 پھٹنے لگیں۔ کئی درختوں نے آگ پکڑ لی۔ اب عمران کے لئے اس کے
 سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرے چنانچہ
 اس نے دوڑ لگا دی۔ لیکن اس کا رخ بائیں جانب تھا۔ دھماکوں کے شور
 میں اس کے دوڑنے کی آوازیں ایٹمی انسانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔
 چھوٹا سا چکر کاٹ کر وہ دوبارہ شرک پر جا پہنچا۔ شرک پر کھڑا ہوا سفید فام
 نشیب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عمران آہستہ آہستہ چلتا ہوا وِگن کے عقب
 میں پہنچا اور پھر اس نے سفید فام کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔

گولی سفید فام کی کھوپڑی میں لگی اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر شرک
 پر گر گیا۔ عمران تیزی سے اپنی ٹو سیٹر کی طرف بڑھا۔ ایٹمی انسان بدستور
 ایٹمی گولیوں سے دھماکے کر رہے تھے۔ عمران نے شرک پر پڑے پہلے
 چاروں حملہ آوروں کا جائزہ لیا۔ تین سفید فام مر چکے تھے۔ البتہ ویسی
 آدمی بے ہوش تھا۔ عمران نے تیزی سے اسے ٹو سیٹر میں ڈالا اور
 انجن سٹارٹ کر کے چھوٹا سا ٹرن لیا۔ اسی وقت باقی تینوں ایٹمی انسانوں

نے انجن کی آواز سنکر سڑک کی طرف دیکھا اور پھر دوڑ لگا دی۔ لیکن ان کے نزدیک پہنچنے سے پہلے ہی عمران کا ربیک کرچکا تھا۔ اس نے گیسٹر بدلا اور پھر ایکسیڈر پر دباؤ بڑھاتا چلا گیا۔ ابھی وہ کچھ دور ہی گیا تھا کہ اُسے فضا میں گونجتی ہوئی ایک آواز سنائی دی۔

”عمران بہتری اسی میں ہے کہ میرے آدمی کو کار سے اتار دو۔ یہ تھا ہے

لئے کسی کام کا نہیں۔“

”کوئی بات نہیں۔ اگر کام کا نہ ہوا تو اس کی لاتس تمہیں شہر کے کسی چوراہے پر مل جائے گی۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

”پھر سوچ لو۔ میرا نام ڈاکٹر شیطان ہے۔“ آواز نے چلیج دینے والے ہجے میں کہا۔

”اور میرا نام عمران ہے۔ عمران ابن رحمان یعنی شیطانوں کا شیطان۔ مجھے۔“ عمران نے جواباً دھمکی دی۔

آواز دوبارہ نہیں سنائی دی۔ عمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رنگ گئی اور اس نے رفتار میں مزید اضافہ کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا جو شخص بھی اس سے مخاطب تھا وہ یقیناً کسی سکرین پر اس کی نقل و حرکت دیکھ رہا ہوگا۔ اور ان حالات میں دانش منزل کا رخ کرنا سراسر بیوقوفی ہوگا۔



ایکسیڈر کی کال موصول ہوتے ہی خاور ایک ایکسیڈر کے بتائے ہوئے

پتہ پر روانہ ہو گیا۔ چوہان سوسائٹی میں تیسری لائن کی سٹائیسوس لائٹی
 ڈھونڈنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ کیونکہ یہ جگہ اس سے
 لئے انجان نہیں تھی۔ مطلوبہ کوٹھی کے سڑک کے دوسری طرف ایک زیر تعمیر
 کوٹھی تھی جس کے آگے تقریباً دو آدم پودوں کی باڑ تھی۔ اور یہ جگہ خاور
 کے لئے بہت زیادہ مناسب تھی۔ چنانچہ اس نے کارواں سے کافی
 دور گھڑی کی۔ اور جیب میں دیوالیہ کی موجودگی محسوس کرتا ہوا زیر تعمیر کوٹھی
 کے قریب پہنچ گیا۔ زیر تعمیر کوٹھی خالی تھی۔ شاید وہاں کام بند ہو چکا تھا۔
 چونکہ کیدار بھی موجود نہیں تھا۔ اور یہ خاور کے لئے خوشی کی بات تھی۔ وہ
 باڑ کے پیچھے آ بیٹھا۔ ہاتھ سے اس نے گنجان پودوں کے درمیان خلا سا
 بنایا اور کوٹھی کے گیٹ پر نگاہیں جما دیں۔ وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا۔
 کوٹھی کی نگرانی کرتے کرتے شام کے سائے ڈھانے لگے۔ لیکن اب
 تک نہ تو کوئی کوٹھی سے باہر نکلا تھا اور نہ اندر گیا تھا۔ اور یہ حفا صی
 تشلیش کی بات تھی۔ ایک گھنٹہ مزید انتظار کے بعد اس نے سوچا کہ ایکسٹو
 کو رپورٹ دینی چاہیے، شاید وہ کسی اور کی ڈیوٹی لگا دے۔ یہ سوچ کر
 اس نے وائس ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو سے رابطہ قائم کیا۔
 ”ہیلو۔ ہیلو باس۔ خاور کالنگ۔“ وہ گھڑی کو منہ کے قریب کرے
 ہوئے بولا۔

چند سیکنڈ گزر گئے۔ خاور نے دوبارہ کوشش کی لیکن پھر بھی کوئی جواب
 نہ ملا تو اس نے وائس ٹرانسمیٹر کاؤنڈیشن اندر کی طرف دیا دیا۔ کچھ دیر سوچنے
 کے بعد اس نے کوٹھی کا جائزہ لینے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنی یکین گاہ سے نکلا۔
 اور اسی لائن میں آگے بڑھنے لگا۔ آخری دس کوٹھیاں عبور کرنے کے بعد وہ

ان کو ٹھیوں کی پشت والی سڑک پر چلی پڑا۔ اب اندھیرا پھیل چکا تھا اور
سڑک لائٹ کی روشنی اس اندھیرے کو دور کرنے میں مصروف تھی۔ کچھ دور
بعد وہ سٹائیسویں کوٹھی کے قریب پہنچ گیا۔ اور بددیکھ کر وہ چونک پڑا کہ
اس طرف بھی بڑا گیٹ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اگر مجرم باہر نکلے بھی ہوں گے
تو انہوں نے اس طرف کا راستہ استعمال کیا ہو گا۔ خاور کو افسوس ہونے لگا۔
کہ اس طرف کا جائزہ لینے کا خیال پہلے کیوں نہ اس کے اس کے ذہن میں آیا۔
وہ خاموشی کے ساتھ کوٹھی کے سامنے سے گزر گیا۔ منظوری دور
جا کر ملی۔ اسی لمحے مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک کار کی ہیڈ لائٹس کی روشنی
اس پر پڑی۔ خاور جلدی سے سڑک کے کنارے پر ہولیا۔ لیکن آئیوالی کار
سٹائیسویں کوٹھی کے گیٹ پر رک گئی۔ کار سے مخصوص انداز میں ہارن
بجایا گیا۔ پھر گیٹ کھلا اور کار اندر داخل ہو گئی۔ خاور کو کار میں سوار
افراد نظر نہ آ سکے۔ وہ دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔ گیٹ بند ہو چکا تھا۔ وہ
سامنے سے گزرتا چلا گیا۔ چکر کاٹ کر وہ اپنی کار کے پاس پہنچا۔ کار سٹارٹ
کر کے وہ آہستہ آہستہ ڈرائیو کرتا ہوا کوٹھیوں کی عقبی سڑک کی طرف آیا۔
اور اس سڑک کے شروع میں ہی کار کو کدی لیکن وہ نیچے نہیں اترا اس نے
مقہرے سے کپ میں چائے انڈینی اور پینے لگا۔ چائے کے ساتھ اس نے
تین چار بسکٹ بھی لئے۔ ان چیزوں کا وہ انتظام کر کے آیا تھا۔ چونکہ وہ
مگرانی جیسے کام کی طوالت سے وہ یاخبر تھا۔ شام کا کھانا کھانے کے لئے
لازمی طور پر اسے کسی ہوٹل کا رخ کرنا پڑتا اور وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔
خدا خدا کہ کے تو اسے کوٹھی میں کسی نقل و حرکت کے آثار نظر آئے تھے۔
چائے پینے کے بعد اس نے سگریٹ سلگایا اور اطمینان سے پینے لگا

تین گھنٹے اور گزر گئے۔ لیکن کوٹھی میں داخل ہونے والی کار دوبارہ بار بار
 نہ نکل اور نہ باہر سے کوئی اندر گیا۔ غار کے گھڑی پر وقت دیکھا۔
 ساڑھے دس بج رہے تھے۔ اس نے ایک بار پھر ایکسٹو سے رابطہ قائم
 کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ مابقی
 ہو گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ دوبار کی کوشش کے باوجود ایکسٹو سے
 سلسلہ نہیں مل سکا تھا۔ شاید ایکسٹو خود کہیں منقطع ہو اور کال معمول
 کرنے کی پوزیشن میں نہ ہو۔ یا پچاس میل کے ایریہ سے باہر ہو۔ یہ
 خیال کر کے خاور نے خود ہی کچھ کر گزرنے کے بارے میں سوچا۔ کوٹھی
 میں گھستا آسان کام نہیں تھا اور خاور کا دماغ اس کو آسان بنانے میں
 مصروف تھا۔ کوٹھی کے دونوں طرف گیٹ تھے اور باقی دونوں اطراف
 میں کوٹھیاں۔ تیسرا کوئی راستہ نہیں تھا۔ بہر حال کوئی نہ کوئی راستہ
 تو نکالنا ہی تھا۔ اب گیارہ بج رہے تھے۔ اور خاور کو بارہ بجنے کا
 انتظار تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر بارہ بجے تک کوئی بات نہ
 بنی تو بارہ بجے کے بعد کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔
 اگر ایکسٹو سے رابطہ قائم ہو جاتا تو وہ ہدایات لے سکتا تھا۔ لیکن
 ایک ٹونہ جانے کہاں تھا۔

تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اسے سامنے سے ایک کار آتی دکھائی
 دی۔ خاور جلدی سے سیٹ پر لیٹ گیا۔ لیکن کار اس کی طرف آنے کی
 بجائے سٹائیسویں کوٹھی کے گیٹ پر رک گئی۔ اور چند سیکنڈ کے
 بعد اندر چلی گئی۔ خاور پھر سیدھا ہو گیا۔ نیا سگریٹ سلگایا اور کش
 لینے لگا۔ پھر ٹھیک سوا بارہ بجے وہ کار سے اترا اور سٹائیسویں کوٹھی

کی طرف چل پڑا۔ لیکن پھر وہ اٹھائیسویں کوٹھی کے قریب رک گیا۔ اس نے
 ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک سنان پڑی تھی۔ اٹھائیسویں کوٹھی بھی تاریکی
 میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خاور نے دیوار کا جائزہ لیا۔ دیوار زمین سے تقریباً
 آٹھ فٹ بلند تھی۔ اس نے ہلکا سا جمپ لیا اور دیوار کا کنارہ پکڑ کر کھنسنے
 لگا۔ پھر وہ اپنے جسم کو آہستہ آہستہ اوپر اٹھانے لگا۔ اور چند سیکنڈ
 بعد دیوار پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ کوٹھی کا صحن تباہ تھا۔ اور
 وہ دیوار پر آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا ستائیسویں کوٹھی کی طرف بڑھنے
 لگا۔ حقوڑی دیر بعد وہ دونوں کوٹھیوں کی مشترکہ درمیانی دیوار پر پہنچ گیا
 ستائیسویں کوٹھی کے صحن میں تاریکی تھی۔ البتہ دو تین کمروں میں ہلکی
 نیلی روشنی کھڑکیوں کے شیشوں سے باہر صحن میں رہی تھی۔ وہ سیٹ کے
 بل دونوں کوٹھیوں کی درمیانی دیوار پر بیٹھا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ اور پھر وہ
 اس جگہ تک پہنچ گیا جہاں پر ستائیسویں کوٹھی کے کمرے کی پشت تھی۔
 اس نے دیوار سے دوسری جانب سجاٹکا۔ اس طرف پھولوں کی گیارہاں معلوم
 ہوتی تھیں۔ چنانچہ وہ دیوار سے نیچے لٹک گیا پھر ہاتھوں کو دیوار
 سے الگ کر لیا۔ ہلکا سا دھماکہ ہوا۔ اور وہ پودے پر جا پڑا۔ چند لمحوں تک
 وہ وہیں پڑا رہا۔ پھر اس نے حیب سے نکال کر ہاتھ میں پکڑا اور دبے قدموں
 سے کوٹھی کے برآمدے کی طرف بڑھنے لگا۔

اچانک وہ ٹھٹھک کر رہ گیا۔ کوٹھی کے گیٹ کے قریب اسے ایک
 سایہ حرکت کرتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ
 سایہ گیٹ سے ساتھ بنی چھوٹی سی کوٹھڑی کے قریب غائب ہو گیا۔
 شاید وہ کوٹھڑی میں چلا گیا تھا۔ خاور ایک بار پھر دبے پاؤں برآمدے

کی طرف بڑھنے لگا۔ برآمدے میں تاریکی تھی۔ وہ اہستہ آہستہ قدم اٹھاتا۔
 برآمدے میں داخل ہوا۔ برآمدے میں پہنچ کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔
 برآمدے کے دائیں بائیں راہداری بنی ہوئی تھی۔ جن میں تھوڑے تھوڑے
 غاصبے پر دروازے بنے تھے۔ ایک دروازے کے نیچے سے نیلے رنگ
 کی ٹکی سی روشنی برآمدے میں پڑ رہی تھی۔ خاور اس دروازے کی طرف
 بڑھا اور کی ہول سے آنکھ لگا دی۔ اندر اسے سامنے دیوار کے قریب
 ایک مسہری پر ایک آدمی سویا ہوا نظر آیا۔ وہاں سے ہٹ کر خاور
 دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ
 لاک نہیں تھا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا اور پھر آہستگی سے
 دروازہ بند کر دیا۔ اندر گھپ اندھیرا تھا۔ اس نے جیب سے پنسل ٹارچ
 نکال کر روشنی کر لی۔

اس کمرے میں چھ سات کرسیاں ایک بڑی سی میز کے ارد گرد رکھی
 تھیں۔ دائیں طرف صوفہ پڑا تھا جس پر اخبارات پڑے تھے۔ بائیں
 طرف کی دیوار میں ایک دروازہ نظر آ رہا تھا جو شاید ساتھ دالے کمرے میں
 کھلتا تھا۔ خاور اس دروازے کی طرف بڑھا۔ کی ہول سے آنکھ لگا
 کر دوسری طرف کا منظر دیکھنے کی کوشش کی لیکن اس کمرے میں اندھیرا
 تھا۔ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ احتیاط
 سے دروازہ بند کرتے کے بعد اس نے پنسل ٹارچ دوبارہ روشن
 کر لی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی کمرہ روشنی سے جگمگا اٹھا۔ خاور ایک
 لمحے کے لئے چندھیا سا گیا۔ اسی لمحے ایک غراہٹ ابھری۔
 ”خبردار — تم چار ریوالوروں کی زد پر ہو — اپنا ریوالور چنیک دو“

خاور نے دائیں بائیں دیکھا۔ واقعی وہ اس وقت چار سفید فاموں نے
 کے درمیان کھڑا تھا۔ اور ان کے ہاتھوں میں ریوا اور تھے۔ خاور نے طویل
 سانس لے کر ریوا اور پھینک دیا۔ ان چاروں میں سے ایک اس کی
 طرف بڑھا۔ دائیں ہاتھ میں ریوا اور پکڑ کر وہ بائیں ہاتھ سے خاور کی
 تلاشی لینے لگا۔ خاور نے ایک ہی لمحے میں کوئی فیصلہ کیا اور اس کے
 دائیں ہاتھ پر ہاتھ رسید کرتے ہوئے اسے دونوں بازوؤں کی گرفت
 میں لے کر بھینچ کیا۔ سفید فام کا ریوا اور گر گیا اور وہ خود کو خاور کی گرفت
 سے آزاد کرانے کی جدوجہد کرنے لگا۔ باقی تینوں نے اپنے ساتھی کو
 اس کی گرفت میں دیکھا تو ریوا اور جمیوں میں ڈال کر وہ تیزی سے خاور
 کی طرف بڑھے۔ خاور نے پھرتی سے سفید فام کو اٹھایا اور ان تینوں
 پر اچھال دیا۔ وہ تینوں تیزی سے ایک طرف ہٹ گئے اور خاور کا
 اچھالا ہوا آدمی ایک صوفے پر جا پڑا۔ اور پھر صوفے سمیت دوسری طرف
 اٹک گیا۔ اسی لمحے ان تینوں نے خاور پر حملہ کر دیا۔ خاور کے منہ پر
 گھونٹہ پڑا اور وہ روکھڑا گیا۔ لیکن فوراً ہی سیدھے ہو کر اس پاؤں کو جھٹکا دیا۔
 اس کی ٹھوکر ایک آدمی کے سینے پر پڑی اور وہ الٹ گیا۔ باقی دونوں نے
 خاور پر گھونٹوں کی بوچھاڑ کر دی۔ خاور نے ایک گھونٹہ بازو پر روک کر
 دوسرے کے پیٹ میں لات رسید کی اور تیسرے کی ناک پر زور دار ٹمکر
 رسید کر دی۔ اس آدمی کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ ناک پکڑ کر رہ گیا۔
 اس کی ناک سے خون نوارے کی مانند چل پڑا تھا۔

انتے میں پہلے آدمی نے خاور پر چھلانگ لگا دی۔ اور خاور تیزی سے
 ایک طرف ہٹا۔ لیکن اسی وقت پیچھے سے اس کی کمر پر ٹھوکر لگی اور وہ

لڑکھڑا کر رہ گیا۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرتا ایک سرد آواز گونجی
 "ہینڈز اپ"۔ "ا"۔ خاور نے چونک کر دروازے کی دیکھ دو دروازے
 میں ایک سفید خام سٹین گن لئے کھڑا تھا۔ اور گن کا رخ خاور کی طرف
 تھا۔ طویل سانس لے کر خاور نے ہاتھ بلند کر لئے۔



کیپٹن بابر ہارڈی کے بار میں ایک میز پر بیٹھا تھا۔

اس وقت وہ ایک مقامی غنڈے کے میک اپ میں تھا جو ان دنوں سنٹرل
 جیل میں سزا بھگت رہا تھا۔ اسے جولیا نے ایکسٹو کا حکم پہنچایا تھا۔ چنانچہ
 وہ بھیس بدل کر ہاں آ گیا تھا۔ اس کی میز پر شمشن کی بوتل پڑی تھی جس میں
 وہ شراب کو بے اثر کرنے والی گولیوں کی خاصی مقدار ڈال چکا تھا۔ اب
 وہ اس کے لئے پانی پیتی۔ یہاں اسے بیٹھے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔ بار میں
 اس وقت کافی سارے لوگ موجود تھے۔ جن میں سے زیادہ تر بد معاشیں اور
 غنڈے تھے۔

اچانک اس کے دائیں طرف کی تیسری میز پر ایک بد معاش اٹھا اور
 جھومتا ہوا کیپٹن بابر کی میز کی طرف بڑھا۔ اس نے ہاتھ میں بیئر کی بوتل اٹھا
 کھی تھی۔ کیپٹن بابر چونک کر اسے گھورنے لگا۔ وہ آدمی کیپٹن کے

قرب پہنچ کر دم سے ایک کرسی پر گر گیا۔ کیپٹن بارس اس کی اس حرکت پر تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس سے پہلے کہ کیپٹن بارس اپنا غنڈہ پن کا سر کرنے کے لئے اس کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھا تا۔ وہ آدمی جلدی سے بول پڑا۔

”اوہ — شرفو — کیا قوم نے مجھے پہچانا نہیں۔ نہیں —؟“ اس کی لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں حیرت کا عنصر تھا۔

کیپٹن بارس طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اس نے چہرے پر جس غنڈے کا میک اب کر رکھا تھا۔ اس کا نام شرفو ہی تھا۔ گویا اس آدمی نے اسے پہچان کر ہی یہاں آنے کی جرات کی تھی۔ لیکن کیپٹن بارس کے لئے وہ شخص بالکل انجان تھا۔

”لیکن تم کون ہو۔ میں نے تمہیں پہچانا —“ وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

”سناؤ — جیل سے کیسے فرار ہوئے ہو —؟“ وہ کیپٹن کی بات کا جواب دینے کی بجائے آنکھ دبا کر بولا۔

”میں رہا ہو کر آیا ہوں —“ کیپٹن بارس نے جلدی سے کہا۔

”ارے رہنے دو۔ مجھے چرتے ہوئے وہ دانت نکال کر بولا۔“

کی قید دو ماہ میں تو ختم نہیں ہو جاتی —

”لیکن تم ہو کون — پہلے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ تو میں بھی کھوں —“ کیپٹن نیز بے میں بولا۔

”حیرت کی بات ہے کہ تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ حالانکہ جس دن تم گرفتار ہوئے تھے اس دن کافی دیر تک ہم اکٹھے رہے تھے —“ وہ

آدمی سرکھپاتا ہوا کہنے لگا۔ بہر حال مجھے غور سے دیکھو۔ میں چیز
بد معاش ہوں، تمہارا گہرا دوست ہے۔ اس نے کیپٹن کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال دیں۔

”اوہ۔۔۔ واقعی۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ کیپٹن نے گرد بڑا کر کہا اور
اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ ”آؤ بھئی۔۔۔ مجھے واقعی خیال نہیں آ رہا تھا۔
معاف کرنا پار۔۔۔ سناؤ کیا حال ہے۔۔۔“

”آج کل کیا کر رہے ہو۔۔۔؟“ چتراموٹھچوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا کہنے لگا۔
”بے کار ہی ہوں۔۔۔ تم کہو۔۔۔“ کیپٹن اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا
بولا۔ ”ہارڈی سے کتنا وصول کر رہے ہو۔۔۔؟“

”ہی ہی ہی۔۔۔“ چترانے دانت نکال دیئے لیکن پھر اس کی منہ
میں یکدم بربک لگ گئے اور وہ چونک کر کیپٹن بابر کی طرف دیکھنے لگا۔
”تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں ہارڈی کے لئے کام کر رہا ہوں۔۔۔؟“
”تم جانتے ہو میرا نام شرفو ہے۔۔۔ اور شرفو کبھی بے خبر نہیں رہتا۔
یہ دوسری بات ہے کہ میں اپنی مرضی کا کام کرتا ہوں۔۔۔“ بابر نے
مسکرا کر کہا۔

”بہر حال اگر اب کے تم نے ہارڈی سے تعاون کیا تو لاکھوں میں کھیلو گے۔“
چترانے رازدارانہ انداز میں کہا۔

”لیکن میں خود ہارڈی سے درخواست نہیں کروں گا۔ البتہ وہ مجھے
ٹیکس کرے تو پھر ٹھیک ہے۔۔۔“

”خبر وہ خود ہی ہارڈی سے بات کروں گا۔۔۔“ چترانے مسکرا کر کہا۔
”آؤ ذرا ہارڈی اپنے دفتر میں موجود ہو گا۔“

کیپٹن باربر نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا اور پھر اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ اسے ہارڈی کے شراب خانے کے لئے کوئی واضح ہدایت نہیں ملی تھی کہ وہاں کیا کرنا ہے، صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ اس بار اور ایٹمی انسانوں کا آپس میں کوئی تعلق ہے۔ ایسی صورت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خود ہی کوئی ایسا قدم اٹھاتا جس سے کچھ معلومات حاصل ہونے کی توقع ہو۔ چترانہ متا تو شاید وہ اب تک وہیں بیٹھا رہتا۔

کاؤنٹر کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ راہداری میں داخل ہوئے۔ چترانہ اس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ایک دروازے پر رک کر چترانے دستک دی۔ اندر سے کسی نے سخت آواز میں اندر آنے کی اجازت دی۔ چترانہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اور پھر کیپٹن باربر کو اندر آنے کے لئے کہا۔ کیپٹن کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے آہنی میز کے پیچھے سیاہ رنگت والا ہارڈی بیٹھا اس سے تیز نظروں سے گھور رہا تھا۔ کیپٹن نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی جھک دیکھی۔ لیکن وہ اسے کوئی معنی نہ پہنچا سکا۔ پھر ہارڈی نے چترے کو مخاطب کیا۔

”کیا بات ہے چترے۔ تم شرف کو یہاں کیوں لائے ہو؟“

”ہاں شرف کی خواہش ہے کہ آپ اسے اپنے گرد پابن بنال کر لیں۔“

چترانہ آنکھ دبا کر کہا۔ لیکن کیپٹن باربر نہ دیکھ سکا۔

ہارڈی نے چترانہ کو ایسی نظروں سے گھورا جیسے کچا ہی چبا جائے گا۔

دوپہرے ہی لمحے اس کے ہاتھ میں دیوار نظر آیا جس کا رخ چترے کی طرف تھا۔ اور چترانہ جبریت سے منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید اسے ہارڈی سے اس سلوک کی توقع نہیں تھی۔

”لگ — کیا مطلب —“ چترا ہکا کر بولا۔

”مجھ سے معاہدہ کرنے وقت تم نے حلف اٹھایا تھا کہ کسی کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ لیکن پھر بھی تم نے شرفو سے بار میں۔ بیٹھ کر میرے متعلق باتیں کیں۔ بلکہ اسے مجھ تک بھی لے آئے۔“ ہارڈی ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا بولا۔
معافی چاہتا ہوں باس۔ لیکن چونکہ شرفو میرا دوست ہے اور بالعماد آدمی باس لئے میں نے آپ سے اس کی سفارش کرنے کی جرأت کی ہے۔“
”بکو اس بند کرو۔“ ہارڈی دھاڑا اور پھر اس نے میز کی سائڈ میں لگا ہوا ایک پیش بٹن دبایا۔

آدھے منٹ سے بھی کم عرصے میں چار غنڈے کمرے میں داخل ہوئے۔ سچویشن کا اندازہ لگاتے ہی انہوں نے ریڈیو رنکال کر ان دونوں کی طرف کر لئے۔

”ان دونوں کو تنہ خانے میں پہنچا دو اور۔“ ہارڈی آنے والوں سے کہہ کر کیپٹن بابر کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے ہونٹوں پر پُر اسرار سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اور آنکھوں میں کامیابی کے تاثرات تھے۔ اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اور اس نقلی شرفو کا میک اپ صاف کر لینا۔“
کیپٹن بابر چونک پڑا۔ لیکن اس نے فوراً ہی خود پر قابو پالیا اور غصیلے لہجے میں بولا۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو مسٹر ہارڈی۔ تم مجھے نقلی کہہ کر میرا مذاق اڑا رہے ہو اور شرفو ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔“
”تم جو کوئی بھی ہو اس کا ابھی پتہ چل جائے گا۔“ ہارڈی نے ہنس کر کہا۔ ”فی الحال تو تم اپنی نقلی مونچھیں اتار دو۔“
”بکو اس بند کرو۔ ورد۔“ کیپٹن بابر نے غرّا کر کہا اور اسی

وقت ایک ریوالور کی نال اس کی کمر سے آگئی۔

”یہاں اونچا پونے والوں کی زبان کاٹنی جاتی ہے سٹر۔“ ہانڈی نے یکدم ہجہ بد لیتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ اس آدمی نے آگے بڑھ کر کیپٹن بابر کی نقلی موچیں اتار کر پھینک دیں۔ اور حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”اب کہو چترے۔ کیا شرفرو بھی ہے۔“ ہارڈی نے طنز پر لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

”نہیں باس۔“ وہ بوکھلا کر بولا۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نقلی اور اصلی میں فرق نہیں دیکھ سکا تھا۔“

”بہر حال تمہاری خطا معاف۔“ ہارڈی نے کہا۔ پھر وہ چاروں غنڈوں سے مخاطب ہوا۔ ”اسے تہہ خانے میں لے جاؤ اور اس سے اگلاؤ کہ یہ کون ہے۔ کس کے لئے کام کرتا ہے اور یہاں کیوں اور کیا لینے آیا۔“ کیپٹن بابر کی کمر پر ریوالور کی نال کا دباؤ بڑھ گیا اور ریوالور واسے سے اسے دروازے کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔ کیپٹن بابر خاموشی سے مڑا اور ان چاروں کے زرخے میں کمرے سے نکلی کر راداری میں چلنے لگا۔ وہ بُری طرح پھنسی گیا تھا۔ اب وہ نہ تو ایکسٹو کو اطلاع دے سکتا اور نہ کسی اور ساتھ کو۔ راداری میں چلتے چلتے اس نے اپنے ذہن میں پلان بنالیا۔ اس کے آگے ایک آدمی چل رہا تھا۔ جبکہ دائیں بائیں اور ایک پیچھے ریوالور لئے آ رہا تھا۔ لیکن ریوالور کی نال اس کی کمر سے نہیں لگی ہوئی تھی۔ غنڈے اسے راداری کے آخری سرے پر بنے ایک دروازے کی طرف لئے جا رہے تھے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ پھر آگے بڑھے غنڈے

نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ باقی تینوں نے کیپٹن کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔

کیپٹن اندر داخل ہوا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے کے دونوں تیزی سے بند کرنے والے انداز میں چھپے دھکیلے اور اس کے پیچھے آنے والے تینوں غنڈے دروازے سے ٹکرا گئے۔ لیکن کیپٹن ان کا انجام دیکھنے کے لئے رکا نہیں۔ اس نے فوراً اگلے غنڈے پر چھلانگ لگا دی۔ اور دونوں ٹڑھکتے ہوئے سامنے والی دیوار کے پاس جا پڑے۔ سیدھے ہو کر کیپٹن نے ایک زوردار گھونہ غنڈے کی ناک پر مارا اور وہ بلبلا اٹھا۔ اتنی دیر میں دروازے سے ٹکرانے والے سنبھل چکے تھے۔ انہوں نے فوراً کیپٹن پر چھلانگیں لگائیں لیکن کیپٹن تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ ہٹتے ہی اس نے تینوں میں سے ایک کے پیٹ میں ٹھوکر رسید کی اور دوسرے کے جڑے پر گھونہ رسید کر دیا۔

تیسرے نے کیپٹن بابر کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لیا اور کیپٹن پشت کے بل فرش پر گر پڑا۔ لیکن گرتے ہی اس نے دوسرے پاؤں کو جھٹکا دیا اور اس کی ٹانگ پکڑنے والا اپنا منہ دبا تا ہوا دوسری طرف الٹ گیا۔

کیپٹن تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت دو غنڈوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ لیا۔ تیسرے غنڈے نے اسے اپنے ساتھیوں کی گرفت میں دیکھ کر کیپٹن کے پیٹ اور سینے پر گھونے برسانے شروع کر دیئے۔ چوتھے نے گھونے کے لئے جو نہی ہاتھ آگے بڑھایا کیپٹن نے تیزی سے

دونوں لائیں اس کے سینے پر رسید کر دیں اور وہ اچھل کر دور جا گرا۔ اس کے ساتھ کیپٹن نے ایک مٹھے کے ساتھ خود کو غنڈوں کی گرفت

سے آزاد کرا لیا اور ساتھ ہی ایک غنڈے کے جھڑے پر گھونہ رسید کر دیا۔ دوسرے نے کیپٹن کی گردن پر کھڑی ہتھیلی کا دار کیا۔ لیکن چونکہ کیپٹن حرکت میں تھا اس لئے اس کا دار کیپٹن کے کندھے پر پڑا اور اپنا کندھا ٹوٹتا ہوا محسوس ہوا۔

دوسرے غنڈے تیزی سے آگے بڑھ کر کیپٹن کے پیٹ میں ٹکر رسید کر دی۔ کیپٹن درد کی شدت سے دوہرا ہو گیا۔ پھر وہ منہ سے بھی نہ پایا تھا کہ اوپر سے ایک غنڈے نے دوہتر رسید کر دیا، کیپٹن منہ کے بل فرش پر آ رہا۔ لیکن اس نے تیزی سے ہاتھ فرش پر ٹیک کر چہرے کو زخمی ہونے سے بچا یا۔ ساتھ ہی اس نے دونوں ٹانگوں کو دائیں بائیں حرکت دی اور دونوں غنڈے لڑکھراتے ہوئے دور جا گئے تیسرے نے تیزی دکھائی اور فرش پر گرا ہوا دیوالور اکٹھا لیا۔ لیکن اس سے پہلے وہ فائر کرتا، کیپٹن کی ٹھوکرا اس کے ریوالور واگے ہاتھ پر پڑی اور ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ ساتھ ہی کیپٹن نے کونے میں رکھی کرسی اکٹائی اور ایک غنڈے پر سے ماری۔ غنڈے نے خود کو بچا یا اور کرسی فرش پر لڑھکتی چلی گئی۔ کیپٹن بابر نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اسے دُور تک رگیدتا ہوا لے گیا۔ ساتھ ہی اس نے غنڈے کو بالوں سے پکڑ کر بڑے زور سے فرش پر دے مارا۔ غنڈے کی چیخ نکل گئی کیپٹن بابر اس وقت وحشی بنا ہوا تھا۔ اس نے غنڈے کے سر کو تین چار بار فرش پر ٹکرایا اور فرش خون سے رنگین ہو گیا۔ پھر وہ آٹھ کر مٹا ہی تھا کہ اس کے سر پر ریوالور کا دستہ بڑے زور سے لگا اور وہ چکر کر رہ گیا۔ اس نے سر کو جھٹک کر آنکھوں کے آگے

چھانے والے اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن پیچھے کھڑے
ہوئے غنڈے نے پھر دستہ سر پر رسید کر دیا اور کیپٹن باہر بے ہوش
ہو کر فرش پر گر پڑا



گوسپیٹرنلیٹ کے سامنے روک کر اس نے بے ہوش
آدمی کو اٹھایا اور نلیٹ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ کال بیل بجانے پر سلیمان
نے دروازہ کھولا اور تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ عمران بے ہوش آدمی
کو اٹھائے اندر داخل ہوا اور سلیمان کو دروازہ لاک کرنے کا کہتا ہوا ڈرائیگ
روم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

ڈرائیگ روم میں پہنچ کر اس نے بے ہوش آدمی کو صوفے پر لٹا دیا۔
اور خود ٹیلیفون کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ اس نے فون پر دانش منزل کے
نمبر ملائے لیکن خلاف توقع دوسری طرف سے جوزف نے ریسپونڈ کر اٹھایا۔
”طاہر کہاں ہے۔“؟ عمران نے پوچھا۔

”پتہ نہیں۔“ کافی دیر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔“ جوزف نے
جواب دیا۔

عمران نے کرڈیل دیا کر چوہان کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے

چوہان کی آواز سنتے ہی اس نے کہا ۔

”چوہان — فوراً میرے فلیٹ پہنچو۔ نعمانی اور تنویر کو لے آنا۔ تمہیں فلیٹ کی عقیبی لگی ہیں کارسمیت پندرہ منٹ میں پہنچ چاہیے۔ نعمانی اور تنویر سامنے کی طرف سے میرے فلیٹ کی نگرانی کریں گے۔ اگر وہ کسی کو فلیٹ کی نگرانی کرتے دیکھیں تو اس کا تعاقب کریں۔ اور بعد میں مجھے رپورٹ دیں۔ سمجھ گئے۔“

عمران نے اسے ہدایات دینے کے بعد پوچھا ۔
جی ہاں۔ میں انہیں کال کر کے فوراً چل رہا ہوں۔“ چوہان کی آواز سنائی دی ۔

”اوکے۔“ عمران نے ریسپورڈ کہہ دیا۔ پھر قریب کھڑے سلیمان کی طرف دیکھا۔ صفر کہاں ہے۔“
”آپ کے جاتے ہی وہ بھی چلے گئے کہ اپنے فلیٹ پر جا رہا ہوں۔“
”اچھا۔ ایک کپ کافی بناؤ۔ میں ورزش کر کے آ رہا ہوں۔“ عمران نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا ۔

”بہتر جناب۔“ سلیمان نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ ”ایک چھوٹی سی میری بھی عرض تھی۔“
”وہ کیا۔“ عمران بنوراس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”لیکن زیادہ بڑی نہ ہو۔“

”نہیں صاحب۔ بہت چھوٹی سی ہے۔ اتنی سی۔“ سلیمان نے دوا انگلیوں کو ملا کر دکھاتے ہوئے کہا ۔

”اچھا اچھا بھو۔“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر بولا ۔
”ایک پچاس روپے چاہئیں۔“ سلیمان نے سر جھکا کر کہا ۔

”کیا —؟“ ”اچھل پڑا — پچاس روپے — اور اکٹھے پچاس —
 ”ہاں صاحب — اکٹھے ہی چاہئیں — ورنہ —“ سلیمان کہتے کہتے
 ٹرک گیا۔

”ورنہ کیا ہوگا — کیا تو بھوکا ہر سال شروع کر دے گا —؟“ عمران
 نے بھٹیوں اچکا کر کہا۔

”ورنہ اس بے چاری کو نہیں کھیں گے گا —؟“ سلیمان دیکھ بھرے
 لہجے میں بولا۔

”ہوں —“ عمران معنی خیز انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”وہ بے چاری
 کون ہے —؟“

”بڑی مدت بعد آئی ہے — پچھلی بار بھی میں اسے دیکھنے کی سعادت
 سے محروم رہا —“ سلیمان نے پیسے والے انداز میں کہا۔

”اوہ — کیا مکہ شریف سے آئی ہے —؟“ عمران نے رازدارانہ
 لہجے میں پوچھا۔

”نہیں تو — وہ تو لندن سے آئی ہے —“ سلیمان نے جلدی
 سے جواب دیا۔

”کیا مجھے بھی دکھاؤ گے —؟“

”آپ کے کام کی نہیں صاحب —“ سلیمان شرمندہ سے لہجے

میں بولا۔

”پھر کس کے کام کی ہے —؟“ عمران عزتاً — ”کیا تم پچاس روپے

حاصل نہیں کرنا چاہتے —؟“

”کیوں نہیں صاحب — لیکن صبح کہہ رہا ہوں — آپ اسے دیکھ کر

آنکھیں بند کر لیں گے۔“

”اے وہ ہے کون ایسی حور پری کہ میں آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا؟“
 عمران کے غصیلے انداز میں ہاتھ نیچا یا۔

”اس کا نام عیاش محبوبہ ہے۔“ سلیمان سر جھکا کر بولا۔ ”اور عمران کی طویل سانس خارج ہو گئی۔ اب وہ سلیمان کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اور سلیمان شرمندگی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔ جیسے عیاش محبوبہ کہہ کر گناہ گار ہو گیا ہو۔“

”عیاش — محبوبہ —“ عمران لفظ چیا کر بولا۔ ”کہیں تم فلم کا نام تو نہیں بتا رہے؟“

”جی ہاں — فلم ہی ہے۔“ بڑا رش ہے اس فلم پر۔ بلیک میں ٹمٹ خریدنا پڑے گی۔“ سلیمان نے کہا۔
 ”میں تمہیں فری پاس نہ دے دوں۔“؟ عمران نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”یہ تو اور بھی اچھا ہے صاحب۔“ بیچاس روپے بیچ جائیں گے۔ میں ان سے دوسرے سینما پر آخری شو دیکھ دوں گا۔ وہ بھی انگریزی فلم لگی ہوئی ہے۔ شاید سینوں کا جزیرہ نام ہے اس کا۔“ سلیمان خوش ہو کر بولا۔

”ادھر آؤ۔“ میرے قریب۔“ عمران نے اسے اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ سلیمان ڈرتا ڈرتا قریب پہنچ گیا۔

”کان پکڑ لو اور بیچاس روپے میں پانچ سو بیٹھکیں لگاؤ۔“

”اوہ یاد آیا صاحب۔“ سلیمان تیزی سے بولا۔ ”آپ نے کافی

کی خواہش ظاہر کی تھی۔ بے فکر ہیں۔ ابھی بنا کر لایا۔ آپ گھڑی پر وقت دیکھیں۔ شاید آپ نے فون پر کسی کو آنے کے لئے کہا تھا۔

عمران چونک پڑا۔ سلیمان کے بکواس بازی میں اسے وقت کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ پندرہ منٹ ہو چکے تھے۔ اسے گھڑی کی طرف دیکھتا پایا کہ سلیمان کھسک گیا تھا۔ عمران آٹھ کرفلیٹ کے عقبی دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی لمحے باہر کسی کار کے رکنے کا آواز سنائی دی۔ عمران نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ عقبی گلی میں کار گھڑی تھی۔ جس میں چوہان فدا بیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا۔ عمران نے اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ اور خود واپس پلٹ آیا۔ چند لمحوں بعد چوہان اندر داخل ہوا اس نے عمران کو سلام کیا۔

”نعمانی اور تنویر پہنچ گئے۔“ عمران نے پوچھا

”میں نے انہیں فون پر ہدایات دی تھیں۔ شاید آگئے ہوں۔“ چوہان صوفے پر پڑے بے ہوش آدمی کو دیکھتا ہوا بولا۔

”کیا اس آدمی کو تم پہچانتے ہو۔“ عمران نے اس سے پوچھا۔

”جی ہاں۔ یہ ہارڈی کا خاص غنڈہ ہے۔“

ہارڈی کا نام سنتے ہی عمران چونک پڑا۔ اسے فوراً یلوا گیا کہ اس آدمی کو وہ ہارڈی کے بار میں دیکھ چکا تھا۔ اور اس کا نام جی ہے۔

”تم اسے بیکروانش منزل پہنچو۔ اور لاک میں بند کر دینا۔ وہاں سے سیدھے اپنے فلیٹ کا رخ کرنا۔ شاید مجھے دوبارہ تمہیں بلانا پڑے۔“

عمران نے اسے ہدایت کی

”عمران صاحب۔ یہ کس چکر میں آپ نے پکڑا ہے۔“ چوہان نے

سوال کیا۔

ایٹمی انسان جس کے ہاتھوں صفر بھی زخمی ہوا ہے۔۔۔
 عمران نے جواب دیا۔

”اوہ۔۔۔ مجھے صفر کے زخمی ہونے کا علم نہیں۔ ویسے آج
 دوپہر کو پرنسٹن چوک میں ایٹمی انسانوں نے بڑی تباہی پھیلائی ہے۔“
 ”کیا ہے؟“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ ”کیا آج دوپہر؟“
 ”جی ہاں۔“ چوہان نے سر ہلا کر کہا۔ پھر پرنسٹن چوک کی تباہی کے
 متعلق بتانے لگا۔ اور عمران کا چہرہ غصہ سے سرخ ہونے لگا۔ اتنی
 زیادہ تباہی کمرڈروں کا نقصان ہو گیا۔ اور تیس چالیس پولیس واسے
 بھی مارے گئے۔

”اچھا۔ تم اسے اٹھا کر لے جاؤ۔“ عمران نے سنجیدہ بیجے میں کہا۔
 چوہان نے بے ہوش آدمی جی کو اٹھایا۔ اور کمرے سے باہر نکل گیا
 عمران کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔



سکریں کا ٹن دبا کر اس نے سکریں کو تارکین کر دیا
 اور اٹھ کر آہنی ٹیبل کے پیچھے آ بیٹھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر شدید

نہتے کے تاثرات تھے۔ اُس کے اچھی انسان ایک معمولی انسان کو نہیں
پکڑ سکے تھے۔ اور نہ ہی اُسے کوئی نقصان پہنچایا۔ اور وہ نہ صرف صاف
بچ کر نکل گیا۔ بلکہ ایک آدمی کو بھی ساتھ لے گیا۔ فون کاریسپر اٹھا کر
اس نے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے کسی کے بولنے کا انتظار کرنے
لگا۔ چند سیکنڈ کے بعد دوسری طرف سے جواب ملا۔

”بس۔ ہارڈی بول رہا ہوں۔“

”ڈاکٹر سپیکنگ۔“ اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا: ”کیا تمہارا آدمی

جی سخت جان ہے۔“

”جی ہاں۔ کیا ہوا جناب۔“ ہارڈی کی گھبراہٹ ہوئی آواز سنائی دی۔

”وہ عمران کی قید میں چلا گیا ہے۔“ ڈاکٹر نے تشویش زدہ ہجے

میں بتایا۔ ”شاید عمران اس کی معرفت تم تک آ پہنچے۔“

”اول تو جی کسی صورت میں بھی اپنا تعلق مجھ سے ظاہر نہیں کرے گا۔

اگر کر بھی دیا تو عمران کو یہاں سے زندہ واپس نہیں جانے دوں گا۔

آپ بے فکر رہیں۔“ ہارڈی نے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔

”بہر حال ہوشیار رہنا۔ میں اپنے طور پر بھی عمران کا قصہ تمام

کرنے کے اقدامات کر رہا ہوں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”اور ہاں۔ یاد

آیا۔ کیا دس آدمی پورے ہو گئے ہیں۔“

”جی ہاں۔ رات کو دس پورے ہو جائیں گے۔ میں اس سلسلے میں

پہلے ہی وعدہ کر چکا ہوں۔“

”گڈ۔ کیا تمہارے علاوہ بھی کسی کو تمہارے اور میرے رابطے کا

علم ہے۔“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”نہیں جناب —“ ہارڈی کی آواز سنائی دی — ہارڈی کے سینے میں رہنے والے راز قیامت تک ظاہر نہیں ہوتے —“

”مجھے بھی تم سے یہی توقع ہے —“ ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا — ”آج دس ہزار روپے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے — اگر مزید ضرورت ہو تو بتا دینا —“

”شکریہ جناب —“ ہارڈی کی آواز میں خوشامدانہ پن نمایاں تھا

”میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو فرمائیے —“

”فی الحال نہیں — ادکے —“ ڈاکٹر نے کہا اور کمرٹیل دبا کر سسٹم منقطع کر دیا۔ پھر اس نے ایک اور نمبر ڈائل کیا۔

”مارٹن سپیکنگ —“ فوراً ہی دوسری طرف سے جواب ملا۔

”کیا کر رہے ہو —“ ڈاکٹر نے پوچھا

”کچھ نہیں جناب —“ فرمائیے —“ مارٹن نے جلدی سے کہا۔

”جیگر کو لے کر عمران کے فلیٹ پہنچ جاؤ — اور اسے دیکھتے ہی گولی مار دو۔ لیکن سٹینسر لگاریو اور اسٹمال کرنا۔ میں شام تک ہر حال میں اس کی لاش چاہتا ہوں —“ ڈاکٹر نے غرّا کر کہا۔ اس نے ہمارے تین ساتھیوں کو ہانک کر دیا ہے اور ہارڈی کے ایک آدمی کو پکڑ کر لے گیا ہے یہی نہیں بلکہ اُس نے ہمارے دو اچھی انسان بھی ختم کر دیئے ہیں —“

”ادہ — پھر تو اس کو مر جانا چاہیئے باز —“ مارٹن کی آواز میں غصہ تھا۔

”ایک بات کا خیال رکھنا۔ وہ انتہائی چلاک اور لومڑی سے زیادہ مکار ہے —“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”میں اسکرین پر اپنے چار آدمیوں اور انہی انسانوں کا اس کے ہاتھوں حشر دیکھ چکا ہوں —“

”آپ بے فکر رہیں باس۔ میں جلد ہی آپ کو کامیابی کی خوش خبری سناؤں گا۔“

”اوکے۔ اب تم اپنا کام شروع کر دو۔“ یہ کہہ ڈاکٹر نے ریسپور کرئیل پر ڈال دیا۔

پھر اس نے میز کے پائے میں لگا ہوا ہٹن دبا دیا۔ اور ساتھ ہی چہرے پر سرخ نقاب چڑھالیا۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا اور ایک سیاہ نقاب والا آدمی اندر داخل ہوا۔ اندر آتے ہی اس نے ڈاکٹر کو سیلوٹ جھاڑا۔

”نمبر سکس۔ تم ہارڈی کے شراب خانے چلے جاؤ۔ وہاں ہارڈی سے ملنے والوں پر کڑی نگاہ رکھو۔ موقع محل کے مطابق کارروائی کرنے کا تمہیں اختیار ہے۔ پارٹی کا راز کسی صورت میں ظاہر نہیں ہونا چاہیئے چاہے تمہیں ہارڈی کو ختم بھی کرنا پڑے۔“

”رائٹ باس۔“ نقاب پوش نے کہا۔

”نمبر سیون کو بھی ساتھ لے جانا۔ اور اپنی موجودہ شکلیں بھی بدل لینا۔ مجھے برابر رپورٹ ملنی چاہیئے۔ کسی قسم کی کوتاہی برداشت نہیں کروں گا۔“

ڈاکٹر نے سخت ہجے میں کہا۔ ”اب تم جا سکتے ہو۔“

نمبر سکس نے سلام کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر نے نقاب اتار دیا۔ میز کی دراز کھول کر اس نے سرخ شراب کا ایک فائل نکالا۔ فائل کو میز پر رکھ کر اس نے میز پر رکھی شراب کی بوتل سے گلاس بھرا اور پھر شراب پینے کے ساتھ ساتھ فائل کا مطالعہ کرنے لگا۔ فائل میں کئی قسم کے نقشے بنے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ایک نقشے پر نگاہیں

جمادیں۔ کچھ دیر تو وہ آڑھی ترمجی لکیروں کے بال نما نقشہ کو بنور دیکھتے رہا۔ پھر اس نے نقشہ پر ایک جگہ سرخ پنل سے دائرہ لگایا۔ دائرہ لگا دینے کے بعد اس نے فائل بند کر کے واپس میز کی دراڑ میں رکھ دیا۔ پھر خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ میز کے پیچھے سے نکل کر وہ کنٹرول ڈیسک کے قریب آیا اور سکرین کا سوچے آن کر دیا۔ سکرین روشن ہو گیا۔ ڈاکٹر ایک لٹو کو حرکت دینے لگا۔ جس کے ساتھ ساتھ اسکرین پر سے منظر تبدیل ہوتا گیا کچھ دیر بعد سکرین پر ایک عمارت دکھائی دی۔ عمارت کے دروازے پر لگی تختی پر علی عمران کے الفاظ واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے۔ ڈاکٹر نے پھر لٹو کو آہستہ آہستہ حرکت دی۔ اب اس کے سامنے سڑک کا منظر تھا۔ سڑک کے کنارے دائیں طرف ایک درخت کے سائے میں کھڑا مارٹن نظر آ رہا تھا۔ اور اس سے کچھ فاصلے پر جیگر کھڑا اخبار کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھا۔

ڈاکٹر نے وہ منظر دیکھنے کے بعد سکرین تارک کر دیا اور پھر دوبارہ کرسی پر آ بیٹھا۔ سرخ رنگ کے فون کا ریسپور اٹھا کر اس نے ایک نمبر ڈائل کیا۔ دوسری طرف سے کسی کی نسوانی آواز سنائی دی۔ گریٹا بول رہی ہوں۔

”میرے کمرے میں آ جاؤ گریٹا۔ میں تمہاری ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔“ ڈاکٹر نے ریسپور میں کہا۔

”بہت بہتر جاس۔ ابھی حاضر ہوئی۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ڈاکٹر نے ریسپور رکھ دیا۔ اور گریٹا کا انتظار کرنے لگا۔



عمران پریشان تھا۔ اس لئے نہیں کہ اسے سیما کو بیس روپے دینے پڑ گئے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ بیک زیرو کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ کئی بار دانش منزل کال کی لیکن ہر بار جوزف نے بیک زیرو کی غیر موجودگی کی اطلاع دی تھی۔ عمران وائس ٹرانسمیٹر پر بھی کوشش کر چکا تھا لیکن بیک زیرو سے رابطہ قائم نہ ہو سکا۔ سیما فلم پر جا چکا تھا۔ عمران نے ٹھٹھکتے ٹھٹھکتے ٹرک کر کھڑکی سے نیچے جھانکا۔ تنویر اور نعمانی بدستور سڑک پر موجود تھے۔ عمران کو دونوں سفید فام بھی نظر آئے جو کافی دیر سے اس سڑک پر کھڑے تھے۔ کھڑکی سے ہٹ کر عمران ٹیلیفون کے قریب آیا۔ ریسپوراء اٹھا کر اس نے جولیا کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے فوراً ریسپوراء اٹھا لیا گیا۔

”یس جولیا نا فٹز واٹر سپیکنگ۔“

”ہیلو ڈارلنگ۔“ عمران نے آواز بدل کر کہا: ”کہو تمہارا وزن کم

ہوا یا نہیں۔“

”شٹ اپ۔“ جولیا کی غراہٹ سنائی دی۔ ”کون ہو تم۔“

”کیوں پوچھتے ہو کیا تم سے کہوں۔۔۔“ عمران نے گانا شروع کر دیا۔

لیکن دوسری طرف سے فوراً ریسپوراء رکھ دیا گیا۔

عمران نے مسکرا کر سامنے والی دیوار کو کھمکھ مار دی اور دوبارہ نمبر
ڈائل کئے۔

”اگر کے پھٹے تم باز آؤ گے یا نہیں۔“ جولیا کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی
”اوہ۔۔۔ کیا ہوا جولیا۔“ عمران نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے
اصل آواز میں کہا۔

”عمران۔۔۔ تم ہو۔“ جولیا کی طویل سانس ریسپور پر سنائی دی۔
”تم نے کیا سمجھا تھا۔“؟ عمران نے مسکرا کر کہا۔

”تھا ایک حرامزادہ۔ ابھی فون کر کے مجھے پریشان کر رہا تھا۔“
اور عمران حرامزادہ کے خطاب پر مسکرا کر رہ گیا۔

”اسی لئے تو کہتا ہوں جولیا ڈارنگ کہ دلہن بن کبیاں آ جاؤ۔ پھر تمہیں
پریشان نہیں کرے گا۔“

”بس بس رہنے دو۔“ جولیا نے جلدی سے کہا۔ میں پیسے ہی غصتے
میں ہوں۔ کہیں تمہیں بھی نہ کچھ سناؤں۔“

”ضرور سناؤ۔ لیکن کوئی ٹکسی گانا سناؤ۔“ راگ راگ اپنے پتے نہیں
پڑتے۔ عمران نے اسمعانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

”تم اپنی جگہ تھے کہاں۔ میں ایک بار پیسے بھی تمہیں فون کر چکی ہوں۔“
”اچھا۔“ عمران نے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر بولا۔ ”میں ذرا قاضی
کا انتظام کرنے گیا تھا۔“

”قاضی۔۔۔ وہ کس لئے۔“ جولیا نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا
”تمہارے ساتھ نکاح کے دو بول پڑھوانے کے لئے۔ کیا تم تیار ہو۔“
”جو اس بند کرو۔“ جولیا دوبارہ غصتے میں بولی۔ ”اکیسٹو تمہارے“

نام پہنایا تھا۔“

ایکسٹوکا نام سنتے ہی عمران چونک پڑا۔ کیا کہا تھا اس نے؟
اس نے صرف اتنا کہا تھا کہ عمران کو ہارڈی کے شراب خانے کے متعلق
بتا دیا۔ وہ ایٹمی انسانوں والے واقعے سے تعلق رکھتا ہے۔“

”اور کچھ۔“؟ عمران نے سمجیدہ لہجے میں پوچھا۔

”اس نے کیپٹن بابر کی ڈیوٹی ہارڈی کی نگرانی پر لگائی تھی۔ لیکن اس
کی طرف سے ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔“ جو یا کی آواز سنائی دے،
”اچھا۔ خدا حافظ۔“ عمران نے کہا اور ریور رکھ دیا۔ اس
کے ماتھے پر گہری شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ ہارڈی۔ ہارڈی۔ جس آدمی
کو وہ پکڑ لایا تھا وہ بھی ہارڈی کے شراب خانے سے تعلق رکھتا تھا۔
ادر بلیک زیرو نے بھی ہارڈی کے متعلق نشان دہی کی تھی۔ بلکہ کیپٹن
بابر کو وہاں نگرانی پر مقرر کیا تھا۔ لیکن خود غائب تھا۔ کہیں وہ پھنس تو
نہیں گیا وہاں۔ یہ خیال آتے ہی اس نے دایع ٹرانسمیٹر کیپٹن بابر سے
رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔
کچھ سوچ کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ چہرے پر میک اپ کی تہہ جانے

کے بعد اس نے جیب میں ریوالور ڈالا۔ اور عقیقہ دروازہ کھول کر باہر نکل
گیا۔ سامنے سے جانا مناسب نہیں تھا۔ سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک
خالی ٹیکسی روکی اور اسے ہارڈی کے بار کا پتہ بتاتا ہوا پھیلی نشست
پر بیٹھ گیا۔ ٹیکسی فوراً ہی سیاہ چکنی سڑک پر دوڑنے لگی۔ اور عمران
موجودہ بے سرب و یا قسم کے واقعات پر غور کرنے لگا۔ ایٹمی انسانوں کی
پزنشن چوک پر تباہ کاری کس مقصد کے لئے تھی۔ ڈاکٹر شیطان کیا

فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ذریعہ خارجہ کے ذریعے حکومت کے سربراہ کو
 کیوں دھمکی دی گئی۔ ڈاکٹر شیطان کی اصلیت کیا ہے۔ ایٹمی افسانوں
 واقعات کو دیکھ کر اتنا تو باآسانی سمجھا جاسکتا تھا کہ وہ ایک ذہین شخص
 ہے۔ لیکن اس کی ذہانت تخریبی مقاصد کے لئے تھی۔ بہر حال کچھ بھی ہو
 اس کی گرفتاری ضروری تھی۔ عمران جانتا تھا کہ اس قسم کے کسی فیاض کے
 بس کے نہیں۔ بلکہ ہمیشہ سیکرٹ سروس کو میدانِ عمل میں آنا پڑتا ہے لیکن
 جو نقصان آج ہوا تھا اس کو پورا کون کرے گا۔ عمران یہ سوچ کر مسکرا دیا۔
 پرنسٹن چوک میں ہونے والی تباہ کاری میں کم از کم ایک کروڑ روپے کا نقصان
 ہوا تھا۔ انسانی جانوں کا ضیاع اس کے علاوہ تھا۔ سینکڑوں لوگ عمارتوں کے
 خیمے میں سے مردہ نکالے گئے تھے۔ جتنی پولیس کی نفری ایٹمی انسانوں
 سے مقابلے کے لئے بھیجی گئی تھی ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا۔
 گھوڑی دیر میں ٹینگی نے اسے ہارڈی کے بار میں اتار دیا۔ کرایہ ادا
 کرنے کے بعد عمران نے گھڑی پر دقت دیکھا۔ شام کے چھ بج رہے تھے
 وہ اطمینان سے چلتا ہوا بار میں داخل ہوا۔ بار اس وقت تقریباً بھرا ہوا
 تھا۔ عمران نے بار میں بیٹھے لوگوں کا بغور جائزہ لیا۔ انداز ایسا ہی تھا۔
 جیسے کسی خالی میز کی تلاش ہو۔ پھر وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کاؤنٹر
 بلک نے اسے بغور دیکھا۔ عمران ایک اسٹول پر بیٹھ گیا اور کاؤنٹر میں
 استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔ عمران نے غنڈوں جیسا
 مسکاپ کر رکھا تھا۔ چہرے پر زخموں کے متعدد نشانات اور لمبی مونچھیں
 اس کی خوفناکی میں اضافہ کر رہے تھے۔
 ”پانی کا گلاس تو پلواؤ۔“ عمران نے بے تکلفی سے کہا۔ اور بار میں

بیٹھے ہوئے گاہوں کا جائزہ لینے لگا۔

اُس کا آرڈر سُنکر کاؤنٹر کلرک کے چہرے پر غصے کے تاثرات نمودار ہوئے۔ چند لمحے وہ عمران کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتا رہا۔

”یہاں شراب کے سوا کچھ نہیں ملتا۔“ اس کے ہجے میں غراہٹ تھی۔

”حیرت کی بات ہے۔ کیا تم لوگ بغیر پانی کے رہتے ہو۔ یا ہارڈی نے تمہیں منع کر رکھا ہے۔“؟ عمران نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

”کچھ بھی سمجھ لو لیکن باس کا نام ادب سے لو۔ وہ اس بار کا

مالک ہے۔“

”میں جانتا ہوں۔“ وہ سر ہلا کر دہلا۔ ”کیا اب پانی کے ٹئے اس سے ملاقات کر کے اجازت لینا پڑے گی۔ یا تمہارا ستر توڑ کر خون پینا پڑے گا۔“

”نہیں۔ ابھی منگواتا ہوں۔“ اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔ پھر اس

نے تین چار بیروں کو آوازیں دیں۔

”موچھے، دینیو اور اسم۔ ادھر آؤ۔“

تین ہٹے کٹے غنڈے کاؤنٹر کے قریب پہنچ گئے۔ عمران نے انہیں آتے دیکھا لیکن اطمینان سے بیٹھا رہا۔ کاؤنٹر میں نے عمران کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

”اس گندی شکل والے کو پانی کی ضرورت ہے۔ تم تینوں اسے پانی پلانے

کے لئے جنت پہنچا دو۔“

”کیا تم ساتھ نہیں چلو گے۔“؟ عمران نے جلدی سے پوچھا۔ ”یا

اُنکو کے پیٹے ہارڈی کو ساتھ لے جانا پڑے گا۔“

”تمہاری تو ایسی کمی.....“ کاؤنٹر میں نے کہتے ہوئے ایک بوتل اٹھا

عمران پر دے ماری لیکن عمران نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر بوتل اس کے ہاتھ سے بھینٹی اور اپنے قریب آ جانے والے ایک دیشر غنڈے کے سر پر دے ماری اور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ بوتل سر پر کھانے والا تیور کر گر پڑا تھا۔ دوسرے غنڈے تیزی سے عمران کی طرف جھپٹے لیکن جونہی وہ قریب آئے۔ عمران نے ان کے گھونٹے اپنے بازوؤں پر روک کر ایک کے پیٹ میں لات رسید کی۔ اور دوسرے نے منہ پر ٹمک دے ماری۔ لات کھانے والا لڑکھڑاتا ہوا ایک میز سے جا ٹکرایا۔ اور دوسرا غنڈہ ٹمک پکڑ کر رہ گیا۔

عمران کو سامنے کی طرف متوجہ پا کر کاؤنٹر میں ہاتھ میں شراب کی کی خالی بوتل لئے عمران کی طرف بڑھا۔ لیکن جونہی وہ عمران کے قریب پہنچا۔ عمران پلٹ پڑا۔ اور کاؤنٹر میں کی بھینکی ہوئی بوتل نے ایک دوسرے گاہک کا سر پھوڑ دیا۔ اگر عمران سر جھکانے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر کرتا تو اس کی کھوپڑی پچک گئی ہوتی۔ سر جھکاتے ہی اس نے ایک فلائنگ لگ کاؤنٹر کے سینے پر رسید کی اور وہ اڑتا ہوا کاؤنٹر سے جا ٹکرایا۔ عمران نے مڑ کر دوسرے لوگوں کی طرف دیکھا۔ تمام گاہک اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر عمران کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جبکہ ایک میز کے ارد گرد کھڑے چار غنڈے عمران کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھور رہے تھے۔ عمران کو دوا در آدمی نظر آئے جو غور سے عمران کو دیکھ رہے تھے۔ پھر عمران نے چاروں غنڈوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور مسکرا دیا۔ کیونکہ ان چاروں کے ہاتھوں میں لمبے پھل والے چاقو تھے۔ اور وہ ایک قوس کی صورت میں عمران

کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اور عمران کو اُن کی آنکھوں میں گھبانکتا ہوا خوف صاف دکھائی دے رہا تھا۔

ان چاروں نے عمران کو گھیرے میں لے لیا اور ہستہ آہستہ گھیرا تنگ کرنے لگے۔ لیکن عمران لا پرواہی سے کھڑا رہا۔ اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکیٹ نکال کر ایک سگریٹ منہ میں دبایا۔ اور پیکیٹ واپس جیب میں رکھ کر ماحیس نکالی۔ تیلی جلا کر اس مے سگریٹ سگنانے کی کوشش کی اور اسی لمحے اُن چاروں نے عمران کو غافل پا کر سبک وقت چاقوؤں سے حملہ کر دیا۔ دوسرے لمحے بلند دواذیت ناک چیخوں سے گونج اٹھا۔



ٹیکسی عمران نے فلیٹ کے سامنے رکی تو مارٹن اور جیگر جنک کر اس طرف دیکھنے لگے۔ وہ کئی گھنٹوں سے عمران کے فلیٹ کی گرانی کر رہے تھے۔ اس دوران وہ اب پہلی بار سرمئی سوٹ میں ملبوس ہوجوان کو عمران کی فلیٹ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ مارٹن اور جیگر ایک دوسرے سے دور دیر کھڑے تھے۔ مارٹن ایک درخت کے سائے میں کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں عمران کے فلیٹ کے دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔ سرمئی سوٹ والا دروازہ کھول کر اندر

داخل ہوا اور دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔ مارٹن جلدی سے درخت کے تنے کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اس نے جیب سے لائٹرنکالا اور اس کے اوپر باریک سا ایریل راڈ باہر کی طرف کھینچ کر اس نے لائٹرنکے پچھلے حصے میں گئے ننھے ننھے ہتھوں میں ایک ٹن دبا دیا اور پھر ہلکی سی بونے لگا۔ اس کی آواز زیادہ اونچی نہیں تھی۔

”ہیلو۔ ہیلو باس۔ مارٹن کانگ اور۔“

”ییس ڈاکٹر اسٹنگ۔ کیا بات ہے مارٹن اور۔“ دوسری طرف سے ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔

”باس اجی اجی بھی عمران فلیٹ میں گیا ہے۔ اور۔“ مارٹن نے مؤدب لہجے میں کہا۔

”اس سے پہلے کہاں تھا وہ۔ اور۔“ غرا کر پوچھا گیا۔

”پتہ نہیں باس۔ جب تین گھنٹے پہلے ہم یہاں آئے تھے تو عمران کی ڈوسٹر باہر کھڑی تھی لیکن فلیٹ میں کسی کی موجودگی کے آثار نہیں تھے۔ اب ایک سرمئی سوٹ والا ٹیکسی سے اتر آیا اور فلیٹ کا تالا کھول کر اندر گیا ہے۔ اور۔“ مارٹن نے جلدی سے بتایا۔

”کیا تم نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ کیا معلوم وہ عمران نہ ہو۔ اور۔“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”چہرہ میں نہیں دیکھ سکا باس۔ لیکن اس نے جیب سے چابی نکال کر فلیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ وہ عمران ہی ہوگا۔ کوئی غیر آدمی اس طرح اندر نہیں جاسکتا۔ اور۔“ مارٹن نے دلائل دیئے

و میں نے تمہیں کہا تھا کہ شام تک عمران کی لاش ملنی چاہیے۔ اب سارے چھپے ہوئے ہیں لیکن — اور اینڈ آل — غصیلے بچے میں کہہ کر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور مارٹن کا دل دھڑک اٹھا۔ اس نے ڈاکٹر کے الفاظ میں چھپی دھمکی محسوس کر لی تھی۔

ڈاکٹر ٹرانسمیٹر بند کر کے اس نے جیب میں آؤٹ پائتھ پر آ گیا۔ اس نے جیگر کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف متوجہ پا کر ہاتھ سے مخصوص اشارہ کر دیا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ عمران کے فلیٹ کی طرف بڑھنے لگا۔ سڑک کو اس کر کے وہ سیڑھیاں اٹھ کر گئے۔ جیگر اس سے چند قدم پیچھے تھا۔ دروازے پر رک کر مارٹن نے کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ ایک منٹ گزر گیا اور کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ اس نے دوبارہ بٹن دبا دیا۔ اس بار بھی اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی کسی چپختی ہوئی آواز سنائی دی — ”دروازہ کھلا ہے۔“

مارٹن نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ چھپے آنے والے جیگر نے دروازہ بند کر دیا۔ اور چپختی بھی لگا دی۔ پھر دونوں ریوالور ہاتھوں میں لے کر اندرونی کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔ ڈرائنگ روم میں انھیں ایک آدمی بیٹھا دکھائی دیا۔ جو سب سے والے بوٹ اتار رہا تھا۔ لیکن ان دونوں کو دیکھتے ہی اچھیل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔

”خبردار — حرکت نہ کرنا —“ مارٹن نے اسے لٹکارا۔ ”ورنر

میں فائر کر دوں گا —“
 ”ف... فائر —“ وہ ہکلا یا۔ ”ت... تمہارا مطلب ہے۔“

”میرا مطلب صاف ہے سٹر عمران —“ مارٹن مسکرا کر ریوالبو کو جنبش دیتا ہوا بولا — ”اداکاری نہیں چلے گی۔ ہمیں تمہاری اس عادت کا بخوبی علم ہے کہ تم خود پر حماقت طاری کر کے دوسروں کو احمق بناتے ہو۔“

”اے۔ لیکن۔ میں تو۔۔“ اس نے کہنا چاہا۔
اب تم یہی کہو گے کہ تم اداکاری نہیں کر رہے یا تم عمران نہیں ہو۔ حالانکہ تمہارے چہرے پر موجود حماقت آمیز خوفزدگی ہی تمہاری پہچان ہے۔“
مارٹن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا — ”ہاتھ بلند کر لو۔۔“
”خج۔۔۔ خدا کی قسم میں عمران نہیں ہوں۔ میں تو سلیمان ہوں اصلی سلیمان۔“ اس نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔

”واہ موت کو سامنے دیکھ کر تمام بھی تبدیل کر لیا۔“ مارٹن نے قہقہہ لگایا۔ ”تھوڑی دیر بعد تم کہو گے۔ رحمان یا شیطان ہو۔ لیکن فکر نہ کرو۔ ہم تمہیں تجھ سے بڑے شیطان کے پاس لے چلیں گے۔“
پھر وہ جیگر سے مخاطب ہوا — ”باس کو اطلاع دو۔ عمران کو یہیں گولی مار دی جائے یا باس اسے ایٹمی انسان میں تبدیل کر کے کام میں لائے گا۔“
جیگر نے جیب سے لائٹس ناٹرانسمیٹر نکالا اور اس پر باس سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ دوسری طرف سے باس کی آواز سنتے ہی کہنے لگا۔
”باس ہم نے عمران پر قابو لیا ہے۔ اب اسے گولی مار دی جائے یا

آپ اسے اپنے غلام ایٹمی انسان میں تبدیل کریں گے۔“
”اوہ گڈ۔“ دوسری طرف سے مسرت آمیز ہجے میں کہا گیا۔ ”بہتر ہے کہ تم اسے ہیڈ کوارٹر پر لے آؤ۔ میں زیادہ سے زیادہ ایٹمی انسان بنانا چاہتا ہوں۔“

”او کے پاس — ہم اسے لارہے ہیں — اور اُسے جیکر نے لیا۔
 پھر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہوتے ہی اس نے لائٹ ٹرانسمیٹر جیب
 میں ڈال لیا اور دوسری جیب سے مضبوط ریشمی دوڑی نکال کر سلیمان کی
 طرف بڑھنے لگا۔ سلیمان خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔ مارٹن نے اُسے
 پیچھے ہٹتے دیکھ کر لاکارا۔

”مزان رک جاؤ — اگر تم نے اب پیچھے کی طرف قدم اٹھایا تو میں تمہاری
 ٹانگ میں گولی مار دوں گا۔“

سلیمان خوفزدہ ہو کر رک گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ بھی مارٹن کے ہاتھ میں
 ریوالور ہی دیکھ رہا تھا کھلونا نہیں۔ اور ریوالور کی گولی کھانا کوئی بھی
 باموشنا آدمی پسند نہیں کرتا۔ جیکر نے ریشمی دوڑی سے سلیمان کے
 کانپتے ہوئے ہاتھ پاؤں باندھے۔ اور اسے اٹھا کر کاندھے پر
 ڈال لیا۔ مارٹن اسے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے خارجی دروازے
 کی طرف بڑھنے لگا۔ لیکن ابھی اس نے دوسرا ہی قدم اٹھایا تھا کہ
 سٹک کی آواز کے ساتھ ہی مارٹن کے ہاتھ سے ریوالور نکل کر دور
 جا پڑا۔ ساتھ ہی ایک غراسٹ اُبھری۔

”خبردار — کوئی بھی حرکت تمہیں اگلی دنیا میں پہنچا سکتی ہے۔
 مارٹن اور جیکر نے بیک وقت مڑ کر پیچھے دیکھا اور طویل سانس
 لے کر رہ گئے۔



جولیانے ٹران سے بات کرنے کے بعد فون کارلسبر

رکھا اور آٹھ کر لباس تبدیل کرنے لگی۔ ہلکا سا میک اپ کرنے کے بعد وہ فلیٹ سے باہر نکل آئی۔ اس کا ارادہ تھا کہ آج دوپہر کا کھانا ہوٹل میں کھائے۔ حالانکہ وہ باہر کھانے کی عادی نہیں تھی۔ مگر آج وہ کچھ زیادہ ہی یور تھی۔ گھر میں پکانا اسے تکلیف دہ محسوس ہوا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ پیسے صفر کے پاس جائے گی۔ اور پھر اسے لے کر کسی اچھے سے ہوٹل کا رخ کرے گی۔ خالی ٹیکسی ملنے میں دیر نہیں لگی۔ ڈرائیور کو صفر کے فلیٹ کا پتہ بتا کر وہ بیٹھ گئی۔ اور ٹیکسی دارالحکومت کی کشادہ سڑکوں پر دوڑنے لگی۔ دس منٹ کے بعد صفر کے فلیٹ پر پہنچ گئی۔ مگر شو مٹی قسمت کہ صفر موجود نہیں تھا۔ فلیٹ کا دروازہ لاک تھا۔ وہ واپس مڑی اور اسی ٹیکسی میں آ بیٹھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل بلیک روز پہنچ گئی۔ ہوٹل بلیک روز جدید

ترین اور معیاری ہوٹل تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ڈائننگ ہال گاہکوں سے بھرا ہوا۔ ایسے میں کسی خالی میز کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ مگر اس کی قسمت اچھی تھی کہ اسی وقت ایک جوڑے نے میز خالی کی تھی۔ جولیا تیزی سے اس میز کی طرف لپکی۔ اسی لمحے ایک اور آدمی بھی

اس میز کی طرف بڑھا اور پھر دونوں بیک وقت ہی میز پر پہنچے تھے۔
اسے دیکھ کر جولیا نے وہاں بیٹھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ مگر اسی لمحے
اس شریف نے بڑے مؤدب انداز میں کہا۔

”آپ بیٹھیں۔ ہال میں اور کوئی میز خالی نہیں۔ مجبوری کا نام
شکریہ۔ ایک ہی میز پر گزارہ کر لیں گے۔ بشرطیکہ آپ محسوس نہ
کریں۔“

”نہیں۔ نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔“ جولیا نے جلدی سے کہا۔
اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ نوجوان بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے
خاموشی رہی۔ پھر نوجوان خود ہی بولا۔

”مجھے اے۔ مجید ساگر کہتے ہیں۔ اور میں یہاں کو اپریٹونک میں
مینجر ہوں۔“

”میرا نام جولیا فٹنر ڈاٹر ہے۔“ جولیا نے بھی اخلاقاً اپنا تعارف
کرایا۔

اتنے میں بیرا آگیا۔ جولیا کے انکار کے باوجود مجید ساگر نامی
اس نوجوان نے کھانے کا لمبا چوڑا آئٹم دے دیا۔

کھانا آیا تو دونوں خاموشی سے کھانا کھانے لگے۔ مگر اسی لمحے
ہال میں دو طویل قامت شخص داخل ہوئے۔ اور وہ دونوں ایٹمی انسان
تھے۔ انہیں دیکھتے ہی پہلے تو ہال میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ اس کے
فورا بعد عورتوں کی چیخ و پکار شروع ہو گئی۔ مرد بھی خوفزدہ ہو کر
کرسیوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ایٹمی انسانوں کی تباہ کاریوں
سے سبھی واقف ہو چکے تھے۔ اس لئے وہاں افراتفری پھیل جانا

عین ممکن تھا۔ لوگ تیزی سے ہال خالی کرنے لگے۔

جولیا نے بھی انہیں دیکھتے ہی سمجھ لیا تھا۔ کہ وہ ایٹمی انسان ہیں۔ وہ قدرے نراساں نظر آنے لگی تھی۔ اچانک اسے کوئی خیال آیا۔ اس نے مجید ساگر کی طرف دیکھا جو بڑی دلچسپی کے ساتھ بھاگتے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں انیٹی انسان ہال کے وسط میں کھڑے قہقہے مگارتے تھے۔ جولیا نے سوچا کہ مجید ساگر کہیں ایٹمی انسانوں کا ساتھی تو نہیں۔ جو اتنی دلچسپی سے تماشا دیکھ رہا ہے۔ اس نے یہ خیال آتے ہی مجید کی طرف دیکھا جو مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ دیکھ جولیا کے شہجے کو تقویت ملی۔

”میں ذرا باتھ روم تک جا رہی ہوں۔“ اس نے اچانک اٹھتے ہوئے

معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

”ضرور۔“ میں انتظار کر رہا ہوں۔“ مجید ساگر نے مسکرا کر کہا۔

جولیا سیدھی ایک طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس طرف باتھ روم بنے ہوئے تھے۔ ایک باتھ روم داخل ہو کر اس نے اندر سے چٹخنی لگائی اور کلائی سے وینچ ٹرائسمیٹر اتار کر تیزی سے ایکسٹو کو کال کرنے لگی۔ مگر ایک منٹ تک مسلسل کوشش کے بعد بھی سلسلہ قائم نہ ہو سکا۔ پھر اس نے عمران کو کال کرنے کی کوشش کی مگر ادھر سے بھی کوئی جواب نہ ملا۔

پھر باری باری اس نے صفدر، کیپٹن بابر، صدیقی اور خاور کو کال کیا۔ مگر سارے لوگ نجانے کہاں مر گئے تھے۔ آخری بار اس نے چوہان کو چیک کرنے کا فیصلہ کرتے ہی اس کی فریکوئنسی سیٹ کی۔

”ہیلو چوہان۔“ جولیا کالنگ یو۔“

”یس مس جولیا۔ کئی خیریت تو ہے۔“؟ چوہان کی آواز
سناٹی دی اور جولیا نے اطمینان کی سانس لی۔

”یہ چوہان۔ میں ہوٹل بلیک روز سے بول رہی ہوں۔ یہاں دو
ایٹمی انسان آئے کھڑے ہیں۔ ہال میں موجود سبھی لوگ بھاگے نکلے ہیں۔
مگر ایک ایسا آدمی بھی ہے جسے ایٹمی انسانوں سے ذرا بھی خوف محسوس
نہیں ہوا بلکہ وہ مسکرا رہا ہے۔ وہ میری منیر پر بیٹھا ہے۔ مجھے یقین ہے
کہ وہ ایٹمی انسانوں کے گروہ سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔“
”اوہ۔ کیا پولیس ابھی نہیں پہنچی۔“؟ چوہان نے چونک
کر پوچھا۔

”نہیں۔ میں ٹیم کے ہر ممبر کو کال کرنے کی کوشش کی مگر صرف تمہیں
سے رابطہ قائم ہو سکا۔“ جولیا نے بتایا۔

”میں ابھی پہنچ رہا ہوں مس جولیا۔ آپ کوشش کریں کہ وہ فوجان
میرے آنے تک وہی رہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کوشش کرتی ہوں۔ ویسے اگر کوئی خطرہ ہوا تو
وانج ٹرانسمیٹر آن کر دوں گی۔“ جولیا نے آخر میں کہا۔ ویسے ابھی
تک ایٹمی انسانوں نے کسی آدمی پر حملہ نہیں کیا۔“

”آپ اپنا خیال رکھیے گا۔ میں پہنچ رہا ہوں۔“ چوہان نے تیزی
سے کہا۔

اس کے ساتھ ہی تیزی طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جولیا نے
بھی وائج ٹرانسمیٹر کا ونڈیٹن اندر کی طرف دبایا اور ہاتھ دھونے کے
بعد ہاتھ روم سے باہر نکل آئی۔

ایٹلی انسان میزوں پر رکھے لوازمات چٹ کر رہے تھے۔ بلکہ میں ان کے علاوہ صرف مجید ساگر ہی موجود تھا۔ جو مسکرا مسکرا ایٹلی انسانوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جولیا خاموشی کے ساتھ میز کے قریب پہنچی اور کرسی پر بیٹھ گئی مگر پھر اچانک اس کی نظر مجید ساگر کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریواٹور پر پڑ گئی جس کا رخ اس کے سینے کی طرف تھا۔ اور وہ خود اس کے چہرے پر نظریں جمائے مسکرا رہا تھا۔

”ہاں تو مس جولیا۔ کرا میں بات چیت ہے؟“
 ”کیا مطلب ہے؟“ جولیا نے اسٹین بننے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔
 ”بننے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہارا نام سنتے ہی سمجھ گیا تھا کہ تم عمران کی ساتھی ہو، وہ قدرے سخت لہجے میں بولا۔ اور اب میں سمجھ رہا ہوں کہ تمہاری ٹرانسمیٹر پر کسی سے گفتگو بھی ممکن ہے۔“
 ”بھیر۔ اب تم کیا چاہتے ہو؟“ جولیا نے غرا کر پوچھا اور نامحسوس طریقے سے گھڑی کا ڈنڈا ہٹا کر باہر کی طرف گھنچ کر ٹرانسمیٹر آن کر دیا۔
 ”میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔“ مجید ساگر مسکرا کر بولا۔
 ”اٹھو۔ اگر کوئی گڑبڑ کی توڑیگر دیادوں گا۔“

جولیا خاموشی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر پھر اسی لمحے اس نے سالن کی پلیٹ اٹھا کر مجید کے منہ پر دے ماری۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ فرش پر بیٹھ گئی۔ مجید ساگر کی آنکھوں میں مرچیں پڑ گئی تھیں۔ تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے اس نے فائر کر دیا۔ گولی جلی ضرور مگر بال کے دروازے سے اندر داخل ہونے والے ایک سپاہی کو چاٹ گئی اور اس کے پیچھے آئیوا لے مزید سپاہیوں نے مجید ساگر پر فائرنگ شروع کر دی۔



چوہان کو جب جولیاء کی کال ملی اس وقت وہ ہوٹل بلیک روز سے صرت تین چار فرلانگ کے فاصلے پر موجود تھا۔ جولیاء کی کال ملنے ہی وہ چل پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں ایٹمی انسان جولیاء کو نقصان نہ پہنچا دیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہوٹل بلیک روز کے قریب پہنچا تو اسے دُور سے ایک جم غفیر ہوٹل کے باہر نظر آیا۔ اسی وقت مخالفت سمت سے پولیس کا ایک ٹرک بھی وہاں پہنچ گیا۔ چوہان نے اپنی کار دُور ہی روک دی اور پیدل ہی تیزی سے ہوٹل کی طرف بڑھنے لگا۔ پولیس والے ٹرک سے اتر کر ہوٹل کے کنپاؤنڈ داخل ہو چکے تھے۔ پھر جب چوہان ہوٹل کی حدود میں داخل ہوا تو اسی وقت اس نے ٹرانسمیٹر پر جولیاء کی آواز سنی۔ اس نے بھی اپنی وائج ٹرانسمیٹر آن کر رکھی تھی تاکہ سنا ملنے میں دیر نہ ہو جائے۔

پھر اس نے مردکی آواز سنی جو جولیاء کو اسٹھنے کا کہہ رہا تھا۔ چوہان تیزی سے ہال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ جہاں سے سپاہی داخل ہو رہے تھے۔ اسی لمحے گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔ چوہان نے سپاہیوں میں سے کسی کی چیخ سنی۔ اور پھر سپاہیوں نے بھی فائر کھول دیئے۔ چوہان فوراً دروازے کی طرف بھاگا۔ دروازے میں رک کر

اُس نے سامنے دیکھا اور اس کے دانت بھینچ گئے۔ وہ نوجوان کھڑا قہقہے لگا رہا تھا اور گولی اس پر اثر نہیں کر رہی تھی۔ گویا وہ بھی ایٹمی انسان تھا۔ جبکہ باقی دونوں طویل القامت ایٹمی انسان کھانے پینے میں مصروف تھے۔ جولیا فرسش پر کرسی کے پیچھے بیٹھی۔ اچانک اس نوجوان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی اور سپاہیوں کی طرف اچھال دیا۔ ایک خوفناک دھماکہ ہوا اور دروازے میں کھڑے سپاہیوں کے پرچے اڑ گئے۔ دروازے کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اور جب گرد و غبار ٹھہرا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا سوائے سپاہیوں کے بکھرے ہوئے اعضا کے۔

یہ دیکھ کر چوہان کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ مگر مقابلے میں ایٹمی انسان تھے۔ اچانک اس نے نوجوان کو جولیا کی طرف بڑھتے دیکھا۔ نوجوان مجید نے سہمی ہوئی جولیا کو بالوں سے پکڑ کر کھڑا کیا اور کہنے لگا۔
 ”کیا اب بھی تم چلنے سے انکار کر دو گی۔ تم نے دیکھا کہ سپاہیوں کا کیا حشر ہوا۔ میں تمہارا بھی یہی حال کر سکتا تھا۔ مگر میں تمہارے خولصورت جسم سے حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔“

”جو اس بند کروکتے۔ ذلیل۔“ جولیا بے بسی سے چیخی۔
 ”مجھے خولصورت ہونٹوں سے نکلی ہوئی گالیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔“
 مجید نے ہنس کر کہا۔

”شٹ اپ۔“ جولیا حلق کے بل غرا کر بولی

”اب تم حل پڑو۔ ورنہ میں تمہاری شٹ اپ کر دوں گا۔“ مجید غرا بولا۔

دوسرے ہی لمحے اُس نے دونوں ایٹمی انسانوں کو اشارہ کر دیا۔

”نمبر تھری دن۔“ اس خولصورت لڑکی اٹھا کر کار میں ڈال کر جلدی کرنا

اُس کا حکم سنکر دونوں ایٹمی انسان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر ان میں سے ایک جولیہ کی طرف بڑھا۔ چوہان خاموش کھڑا ان کی کارروائی دیکھ رہا تھا۔ ان میں سے کسی کی نظر اب تک اس پر نہیں پڑی تھی۔ ایٹمی انسان نے جولیہ کو پا کر کمر کاغذ سے بہلا دیا۔ جولیہ نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح اُس کی گرفت سے نکل سکے۔ مگر وہ گرفت دنیا کے طاقتور ترین انسان کی تھی۔ وہ اپنی سعی میں ناکام رہی۔ پھر وہ تینوں ہال کے خارجی دروازے کی طرف بڑھے۔ چوہان وہاں سے ہٹ گیا اور تیزی کے ساتھ اپنی کار کی طرف دوڑا۔ ایٹمی انسانوں کو باہر نکلتے دیکھ کر لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ تینوں آدمی ایک شیور لیٹ کے پاس پہنچے۔ جولیہ کو انھوں نے پچھلی سیٹوں کے درمیان ڈال دیا۔ مجید ساگر نامی ایٹمی انسان ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ باقی دونوں پچھلی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ اور پھر کار آگے بڑھ گئی۔ چوہان نے ان کے پیچھے کار لگا دی۔ اور وائج ٹرانسمیٹر پر ایکسٹو سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ مگر رابطہ نہ مل سکا۔ پھر اس نے عمران کو کال کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ کچھ سوچ کر اس نے ٹرانسمیٹر وائج پر جولیہ سے رابطہ قائم کیا۔ مگر جولیہ اس سے بات نہ کر سکی۔ کیونکہ اس کے قریب سیٹوں پر دونوں ایٹمی انسان بیٹھ گئے۔ اور وہ خود کار کے فرش پر اکڑوں ہو کر بیٹھ گئے۔ چوہان سمجھ گیا کہ بات کرنا مناسب نہیں۔ اس کے وائج ٹرانسمیٹر اُٹ کر دیا۔ شیور لیٹ اور اس کی کار کے درمیان بس چند گز کا فاصلہ تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ مزید پولیس کیوں نہیں آئی۔ کیا

وہ لگ یونہی بچ کر نکل جائیں گے۔

اچانک اگلے چوک پر شیور لیٹ رک گئی۔ کیونکہ اس سے آگے
طرہی کے دو ٹرک کھڑے تھے۔ جن پر مشین گنیں نصب تھیں اور
سیکر پر ایٹمی انسانوں کو وارننگ دی جا رہی تھی۔

وہ خود کو طرہی کے حوالے کر دے۔ ورنہ فائر کھل دیا جائے گا۔
شیور لیٹ کے پیچھے ہی چوہان نے کار روک دی۔ پھر اس نے
تینوں ایٹمی انسانوں کو کار سے باہر نکلتے دیکھا۔ وہ کار سے اتر کر
طرہی کے ٹرکوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ مگر پھر اچانک انہوں
نے جیبوں سے چھوٹی چھوٹی تباہ کن ایٹمی گولیاں نکال کر ٹرکوں پر
اچھال دیں۔ اور فضا پے در پے دھماکوں سے گونجنے لگی۔

چوہان اپنی کار سے اترا اور تیزی سے شیور لیٹ کی طرف بڑھا۔
ایٹمی انسان قہقہے لگاتے ہوئے فوجیوں کی طرف متوجہ تھے۔ ٹرک تباہ
ہو چکے تھے اور ادھر ادھر چھپے ہوئے فوجی ان پر گولیاں برس
رہے تھے۔ چوہان کے لئے یہ موقع بہت عمدہ تھا۔ وہ جھکا جھکا شیور
لیٹ کے قریب پہنچا۔ پھلی سیٹ کا دروازہ کھلا تھا اور اندر جو لیا
بیٹھی تھی۔ چوہان نے جو لیا کا ہاتھ پکڑا اور پھر دونوں بھاگتے ہوئے
اپنی کار کی طرف دوڑے۔ چوہان ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور
جو لیا دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ چوہان نے گیر
بدل کر ایکسیلٹر پر پاؤں کا سارا دباؤ بڑھا دیا۔ کار کان سے
نکلے ہوئے تیز کی طرح آگے بڑھی۔ تینوں ایٹمی انسان بوکھلا کر ادھر
ادھر ہٹے۔ مگر چوہان نے شیرنگ گھمایا اور کار کی ٹکر سے دو ایٹمی

انسان اچھل کر سامنے والی عمارت سے جا ٹکرائے۔ دوز بردست
 وھلکے ہوئے اور ایٹمی انسانوں کے پر نیچے اڑ گئے۔ ان دھماکوں
 کے ساتھ بلڈنگ بھی نیچے آ رہی اور مجید سا گز نامی ایٹمی انسان اُس کے
 نیچے دب کر دھماکے سے پھٹ گیا۔ مگر جو ہان نے کار روکی نہیں۔ وہ
 سیدھا نکلتا چلا گیا۔ اور جو لیا خوفزدہ نگاہوں سے جو ہان کو دیکھ
 رہی تھی کہ اس نے ایک پل میں تین ایٹمی انسانوں کو ختم کر دیا۔ جنہیں
 مٹری بھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکی تھی۔



ھوٹش میں آتے ہی بلیک زیرو نے آنکھیں کھول لی
 اور خود کو ایک تنگ سی کوٹھڑی میں پا کر چونک پڑا۔ اس نے ذہن پر
 زور دیا اور پچھلے واقعات تصویر کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے آتے
 چلے گئے۔ اُسے یاد آیا کہ ہارڈی کے بار میں ایک کمرے میں داخل ہوتے
 ہی اس پر کسی نے پیچھے سے حملہ کیا تھا۔ اور اس کے سر پر چوٹ پڑی
 تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ اور یہ کوٹھڑی کہاں پر اور کس کی ہے۔
 اس کے بارے میں اس کا ذہن جواب دینے سے قاصر تھا۔ اس نے
 فرش سے اٹھ کر کمرے کا بغور جائزہ لیا۔ کمرے میں نہ کوئی دروازہ تھا

اور نہ ہی کوئی کھڑا کی چھت میں بھی کوئی راستہ نہ تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ کمرے میں آنے جانے کے لئے کوئی خفیہ راستہ ہوگا۔ یہ سوچکر بلیک زریہ کمرے کی دیواریں ٹٹولنے لگا۔ لیکن دیواروں پر ایسا کوئی نشان یا ابھری ہوئی جگہ نہ ملی جس سے وہ خفیہ میکنزم کا پتہ چلا سکتا۔ تھک کر وہ فرش پر بیٹھ گیا۔ کمرے میں کسی قسم فریج بھی نہیں تھا۔ البتہ ایک کونے میں پانی کی ایک مراچی اور گلاس رکھا تھا۔ اس نے اٹھ کر مراچی سے پانی پیا اور پھر سوچنے لگا کہ کیا کیا جائے۔ اس کی جیب سے ریوالور بھی غائب تھا۔ البتہ گریٹ موجود تھے۔ اچانک اسے وانج ٹرانسمیٹر کا خیال آیا۔ اس نے کلائی سے وانج اتار کر اس پر عمران کی فریکوئنسی سیٹ کی اور عمران سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ لیکن عمران سے رابطہ نہ مل سکا۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ عمران سے پچاس میل کے فاصلے پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ ہارڈی کے شراب خانے سے کسی اور جگہ منتقل ہو چکا تھا۔ اس نے وانج ٹرانسمیٹر دوبارہ کلائی پر باندھی اور گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا۔ اس نے ہارڈی کے شراب خانے پر کیپٹن باربر کی ڈیوٹی لگائی تھی۔ انہوں نے اس کا کیا بنا اور خاور نے کیا تیر مارا۔ جیسے اس نے چوہان سوسائٹی کی ایک کوٹھی پر نگرانی کرنے کا حکم دیا تھا۔ ابھی وہ ان باتوں کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اس نے کمرے کی چھت میں ٹپکتے ہوئے بلب کو جلتے بھجھتے دیکھا۔ وہ چونک پڑا۔ بلب کا جلنا بجھنا ایک نواز کے ساتھ تھا۔ تقریباً دس سیکنڈ تک بلب ایک ایک سیکنڈ کے لئے جلتا بھجھتا رہا۔ پھر اس نے کمرے کی باتیں دیا اور ایک طرف

کھسکتے دیکھا۔ اب وہاں ایک چھوٹا سا دروازہ بن چکا تھا۔ جس سے دو نقاب پوش اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں اسٹین گنیں تھیں اور ان گنوں کا رخ بلیک زیرو کی طرف تھا۔ دونوں نقاب پوش اس کے قریب آ کر رُک گئے۔

”اٹھو۔“ ایک گن بردار نقاب پوش نے کہا۔ لہجہ حکمانہ تھا۔ بلیک زیرو خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نقاب پوش نے گن سے دروازے کی طرف بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اور وہ دروازے کی طرف چل دیا۔ دونوں گن بردار نقاب پوش اسٹین گنیں اس کی طرف تانے پھینچے چلنے لگے۔ دروازے سے باہر نکلتے ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا اور کمرے کی دیواریں آپس میں آ ملیں۔ لیکن بلیک زیرو نے مڑ کر دیکھا نہیں۔ وہ خاموشی سے نقاب پوشوں کے آگے آگے چل رہا تھا۔ رہداری حاصی طویل تھی اور اس میں دونوں طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ بلیک زیرو چاہتا تو یہیں ان دونوں کو تالو کر سکتا تھا لیکن اس کا نامدہ کوئی نہیں تھا۔ جب وہ یہاں تک پہنچ ہی گیا تھا تو یہاں کے بارے میں مکمل معلومات کے بغیر واپسی کوئی اچھی بات نہ تھی۔ اور ابھی تو وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ ہارڈی کے بعد وہ کن لوگوں کی قید میں آ پڑا ہے۔ اور یہ جگہ کہاں پر واقع ہے اپنے ہی ملک میں یا کسی دوسرے ملک میں۔ چنانچہ اس نے کوئی غلط حرکت نہ کی اور نقاب پوشوں کے حکم کی تعمیل کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

ایک دروازے کے قریب پہنچتے ہی اس کے پیچھے آنے والے نقاب پوشوں میں سے ایک نے اسے رکنے کا حکم دیا۔ اور آگے

بڑھ کر اس کی کمرے گن لگا دی۔ دوسرے نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔

”کم ان —“ اندر سے کسی کی غراہٹ آمیز آواز سنائی دی۔
 نقاب پوش نے دروازہ کھول دیا۔ اور بلیک زیرو کو اندر داخل کا اشارہ کیا۔ بلیک زیرو اندر داخل ہوا۔ اس کے ساتھ ہی دونوں نقاب پوش بھی اندر آ گئے۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ سامنے ہی آہنی ٹیبل کے پیچھے چوڑے شانوں والا سرخ نقاب لگائے ایک آدمی بیٹھا تھا۔ میز پر تین ٹیلیفون پڑے تھے۔ جبکہ دائیں طرف لکڑی کے ایک ڈیسک پر بے شمار چھوٹے چھوٹے بٹن اور لٹوسے لگے ہوئے تھے۔ دیواروں پر تین چار اسکرین لگے ہوئے تھے۔ جن میں سے ایک سکرین روشن تھا اور اس پر جو منظر تھا اسے دیکھ کر بلیک زیرو لیکن اس نے چہرے سے کوئی تاثر ظاہر نہ ہونے دیا۔ سکرین پر اس کمرے کا منظر تھا۔ جہاں سے ابھی ابھی وہ اٹھ کر آ رہا تھا۔ کمرے کے کونے میں پڑی ہوئی مراچی اور گلاس صاف دکھائی دے رہے تھے۔ سکرین سے نظریں ہٹا کر بلیک زیرو سرخ نقاب والے کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کے نقاب سے جھانکتی ہوئی آنکھیں مسلسل اسے گھور رہی تھیں۔ پھر بلیک زیرو کو سرخ نقاب والے کا تھکناہ آواز سنائی دی۔

”نوجوان — میرے چند سوالوں کا جواب دو گے —“
 ”مجھے تم لوگوں نے کیوں قید کر رکھا ہے۔ اور یہ کونسی جگہ ہے۔“
 بلیک زیرو نے چہرے پر خوفزدگی کے آثار پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔

”خوب — تو تم اپنا مجھ سے سوال کرنے لگے — سرخ نقاب والے نے ہنس کر کہا —“ خیر اس کا جواب میں تمہیں دے سکتا ہوں۔“ تمہیں یہاں ہارڈی نے پہنچایا ہے۔ اور تم اپنے ہی ملک میں ایک مقام پر ہو۔ لیکن مقام کا محل وقوع بتانے سے قاصر ہوں —“ مجھے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔ اور تم کون ہو۔ ہارڈی سے تمہارا کیا تعلق ہے —“ بلیک زیرو نے پھر پوچھا۔

”یہ سوال غیر ضروری ہیں۔ صرف اتنا بتا سکتا ہوں کہ یہاں تمہیں ایٹمی انسان بنانے کے لئے لایا گیا تھا لیکن میں نے ارادہ تبدیل کر دیا ہے۔ اس لئے کہ تم اب معمولی انسان نہیں رہے۔ بہر حال اب تم خود ہی اپنا تعارف کرادو۔“ نقاب پوش کا لہجہ آخر میں سخت ہو گیا۔

”میرا نام جاوید ہے — اور شہر میں میری کپڑے کی دکان ہے —“ بلیک زیرو نے چند لمحے سوچنے کے بعد جواب دیا۔

”اچھا۔ اچھا —“ نقاب پوش نے سر ہلا کر کہا — کیا واقعی تمہارا نام جاوید ہے —“

”کیا مطلب —“ بلیک زیرو غصیلے لہجے میں بولا — کیا دو ٹوٹین گنتوں کی موجودگی میں بھی میں جھوٹ بول رہا ہوں —“

”نہیں۔ نہیں۔“ میرا مطلب یہ تھا —“ سرخ نقاب والے نے

ہنس کر کہا۔

پھر وہ میز کے چیمپے سے نکل کر کنٹرول ڈیسک کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک ٹین دبا کر دشمن سکریں تارک کر دیا۔ پھر ایک اور ٹین دبا دیا۔ اور ایک سکریں دشمن ہو گیا۔ سکریں پر کمرے میں بیٹھا ہوا

بلیک زیرو نظر آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں واضح ٹرانسمیٹر تھا۔ جسے منہ کے قریب کر کے وہ بول رہا تھا اور سکرین کے ساتھ لگے سپیکر سے اس کی آواز خارج ہو رہی تھی۔

”ہیلو۔ ہیلو عمران صاحب۔ بلیک زیرو کالنگ یو۔“
پھر بلیک زیرو گھڑی کلائی پر باندھتا نظر آیا۔ سرخ نقاب والے نے مٹن واکر سکرین تاریک کر دیا۔ اور معنی خیز نظروں سے بلیک زیرو کی طرف دیکھنے لگا۔ بلیک زیرو نے چہرے پر کوئی تاثر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ خاموش کھڑا سرخ نقاب والے کی طرف دیکھتا رہا۔ سرخ نقاب والا بھی چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

”کیا اب بھی تم جاوید ہو۔ کلائمٹ مریٹ!“
”تم کیا چاہتے ہو۔“ بلیک زیرو نے اس کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔ جب راز کھل ہی گیا تھا تو کچھ تھپٹا نا فضول ہی تھا۔
”ہم کیا چاہتے ہیں۔ یہ تمہیں کل شام تک معلوم ہو جائے گا۔ یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ تم عمران کے ساتھی ہو۔ اب تم جلدی سے یہ بتا دو کہ ایکسٹو کہاں اور کس شکل میں ہے اور تمہاری حیثیت سیکرٹ سروس میں کیا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے میں نے پاکیشیا سیکرٹ سروس میں کسی بلیک زیرو کا نام نہیں سنا۔“ سرخ نقاب والے نے کہا۔

”میں ایکسٹو کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں چند دن ہوئے سیکرٹ سروس میں شامل ہوا ہوں۔“ بلیک زیرو نے جواب دیا۔
”اس کا مطلب ہے کہ تم سیکرٹ ایجنٹوں کی طرح سخت جان ہو۔“

اور آسانی سے جواب نہیں دو گے۔“ اس نے سہرا کر کہا۔ پھر اس نے ایک گن بردار کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ اس کی کلائی سے اس فرانسسٹر آمار لو۔“

فوراً ہی ایک نے سٹین گن بیگ زیرو کی کمر سے لگا دی۔ دوسرے نے آگے بڑھ کر بیگ زیرو کی کلائی سے گھڑی اتار لی اور پھر اسے سرخ نقاب والے کی ٹیبل پر رکھ دیا۔ سرخ نقاب والے نے گھڑی کو اٹھا کر اسے دیکھا۔ چند لمحے دیکھنے کے بعد اس نے گھڑی جیب میں ڈال لی اور بیگ زیرو کی طرف دیکھنے لگا۔

”جلدی تمہارا ہیر و عمران موت کی آغوش میں پہنچ جائے گا۔ یا تمہارے پاس نہیں آجائے گا۔“ اس نے منکر کر کہا۔
”اور.....“

وہ کہتے کہتے ٹرس گیا۔ کیونکہ کمرے میں سیٹی کی تیز آواز سنائی دینے لگی تھی۔ اس نے چونک کر میز کی دراز میں ہاتھ ڈالا اور لائٹرنکال لیا۔ سیٹی کی آواز اسی سے نکل رہی تھی۔ ایریل راڈ باہر کھینچ کر اس نے کہا۔

”یس ڈاکٹر شیطان اٹنڈنگ۔ اور۔“

”باس۔ ہم نے عمران پر قابو پا لیا ہے۔ اب اسے گولی مار دی جائے یا آپ اسے اپنے غلام ایٹمی انسان میں تبدیل کرینگے؟“
آواز سنائی دی۔

”اوہ۔ گڈ۔“ ڈاکٹر شیطان نے مسرت آمیز لہجے میں کہا۔
”بہتر ہے کہ تم اسے ہیڈ کوارٹر پر لے آؤ۔ میں زیادہ سے زیادہ

ایٹھی انسان بنانا چاہتا ہوں۔“

”اوکے پاس — ہم اسے لارے ہیں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا اور ڈاکٹر شیطان نے ٹرانسمیٹر بند کر کے میز پر رکھ دیا۔

”مستقیم تھنے — عمران یہاں لایا جا رہا ہے۔ اس نے آج مدیہ

ہمارے چار بہترین ساتھی اور دو ایٹھی انسان تباہ کر دیے تھے۔ میں اس سے اُن کا بدلہ بھی چکانا ہے۔“ ڈاکٹر نے بلیک زیرو کو مخاطب کر کے کہا۔

بلیک زیرو خود بھی عمران کی گرفتاری کا سنگہ حیران ہو رہا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ عمران ان لوگوں کے قابو میں آسانی سے آگیا ہوگا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے کسی چکر میں آ کر جان بوجھ کر خود کو پکڑوا دیا ہو۔ بہر حال اب اس کا یہاں سے فرار ہونا ضروری ہو گیا تھا۔ اگر دونوں

ایکسٹو قید ہو جائیں تو سیکرٹ سروس کو کون کنٹرول کرے گا۔

”اسے لے جاؤ اور اس سے ایکسٹو کا پتہ پوچھو اگر یہ گڑبڑ کرے تو

ایٹھی بھٹی میں ڈال دینا۔“ ڈاکٹر شیطان نے بے رحم ہجے میں اپنے

ساتھیوں کو حکم دینا۔

نقاب پوشوں نے اسے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ ڈاکٹر شیطان کے

حمرے سے نکل کر وہ راہداری میں چلنے لگے۔ اس بار بھی دونوں شین گن

بردار بلیک زیرو کے پیچھے تھے۔ لیکن اب چاہے وہ کس طرف ہوتے

بلیک زیرو فرار ہونے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اس لئے کہ اب اس کا یہاں

رہنا ضروری نہیں تھا۔ جتنی معلومات اسے حاصل ہو چکی تھیں، وہی

فی الحال کافی تھیں۔ پھر کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے یکدم مڑ

کر دونوں گن بردار نقاب نقاب پوشوں پر حملہ کر دیا۔ وہ دونوں

اس اچانک حملے سے بوکھلا گئے اور راہداری اسٹین گن کی ریٹ ٹیپ کی مخصوص آواز سے گونج اٹھی۔ اس گونج میں ایک کرنک چیخ بھی شامل تھی۔



لیکن وہ چیخیں عمران کی تو نہیں تھیں۔ وہ تو الگ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اور بار میں موجود لوگ حیرت سے بت بنے اُسے دیکھ رہے تھے۔ ہوا یوں تھا کہ عمران اُن کے حملہ آور ہوتے ہی بڑے زور سے پاؤں کے بل اچھلا تھا۔ اُن کے گھیرے سے نکل کر اس نے فضا میں ہی تلا بازی کھائی اور اُن سے دُور جا کھڑا ہوا تھا اور وہ چاروں آپس میں ٹکرا گئے تھے۔ اس کے نتیجے میں دو آدمی اپنے ہی دوستیوں کے چاقوؤں کا شکار ہو گئے۔ اور اب زمین پر گر پڑے تھے۔ اُن کے سینوں سے خون کے نوارے ابل پڑے تھے۔ کاؤٹر مین نے آنکھیں مل کر اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھا اور تیزی سے ٹیلیفون کی طرف لپکا۔ عمران جانتا تھا کہ وہ پولیس کو بلانے کی حماقت نہیں کرے گا۔ اس نے وہ اطمینان سے کھڑا رہا۔ جیب سے اس نے چیونگم کا پکیٹ نکال کر ایک چیونگم منہ میں رکھا اور پھر حیرت سے بت بنے کھڑے دونوں غنڈوں

کی طرف اٹھ بڑھا دیا جو اپنے ساتھیوں کو ٹڑپتا دیکھ رہے تھے۔
 ”دوستو — چوونگم کھاؤ گے۔ اسے چبانے سے ہڈیاں مضبوط
 ہوتی ہیں۔ بصارت تیز ہوتی ہے اور قوت برداشت اتنی تیز ہو جاتی
 ہے کہ اگر تم سو آدمیوں کی لاشیں بھی دیکھو گے تو تمہیں کوئی افسوس
 نہیں ہوگا۔“ عمران نے احمقانہ ہجے میں کہا۔

دندوں غنڈوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اور ان کی آنکھوں
 میں ایک بار پھر خون ابھر آیا۔

”مزدور جیائیں گے لیکن چوونگم نہیں — تمہاری ہڈیاں —“ ان میں
 سے ایک نے درندوں کی طرح دھاڑ کر کہا۔

”مجھے تم کتے تو نہیں دکھائی دیتے —“ عمران نے حیران ہو کر کہا۔
 ”یا شاید مجھے کم دکھائی دے رہا ہے —“

لیکن اس بار غنڈوں نے بات کرنے کی بجائے عمران پر حملہ کر دیا۔
 عمران اس بار اپنی جگہ سے بالکل نہیں ہٹا۔ بلکہ اس نے تیزی سے ان
 دونوں کے چاقوؤں والے ہاتھ پکڑ لئے اور ان کی کلائیوں کی مخصوص
 رگیں دبا دیں۔ ایک لمحے میں ہی ان دونوں کے ہاتھ سس ہو گئے اور
 چاقو ان کے ہاتھوں سے نکل کر فرش پر گر پڑے۔ ساتھ ہی عمران نے
 ان کے ہاتھوں کو زوردار جھٹکا دیا اور دونوں غنڈے قلابازیاں کھاتے
 ہوئے عمران کے دائیں بائیں جا پڑے۔ پھر اس نے پھرتی کے ساتھ
 ان دونوں کے چاقو اکٹھا لئے۔ اور غنڈوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جو
 فرش سے اٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”خبردار — کوئی حرکت مت کرنا۔“ اچانک اسے اپنے پیچھے

سے ایک سخت آواز سنائی دی۔ عمران نے مڑ کر دیکھا۔ کاؤنٹر کے قریب ہارڈی ہاتھ میں ریوالتور لئے کھڑا تھا۔ اور اس کی شعلہ باز نگاہیں عمران پر جمی ہوئی تھیں۔

”یہ کیا کیا تم نے۔ اور تم کون ہو۔“ ہارڈی نے پوچھا۔
 ”میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ تم اپنے کسی بھی گاہک سے پوچھ سکتے ہو۔“
 عمران نے مسکرا کر کہا۔ ”یہ دونوں اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے ہیں۔ اگر یہ میرے ہاتھوں مارے جاتے تو مجھے خوشی ہوتی لیکن اب بہت افسوس ہے۔“
 ”ہارڈی نے بار میں موجود لوگوں کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھا۔
 اور سب نے عمران کی تائید میں سر ہلا دیئے۔

”یہ بہادر آدمی صحیح کہہ رہا ہے مسٹر ہارڈی۔ اور پہل بھی تمہارے ساتھیوں نے ہی کی تھی۔ اس نے تو صرف پانی مانگنے کی غلطی کی تھی۔ افسوس کی بات ہے کہ تمہارے آدمیوں نے پانی دینے کی بجائے اس پر حملہ کر دیا۔ اگر تمہارے بار کا یہی اصول ہے تو آئندہ سے ہم یہاں نہیں آئیں گے۔“
 ایک گاہک نے کہا۔ وہ بھی بد معاش لگتا تھا۔

”مجھے محسوس ہے دوستو۔“ ہارڈی نے کہا۔ ”آئندہ آپ کو اس قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میرے ساتھیوں نے جو غلطی کی ہے انہیں اس کی سزا مل گئی ہے۔ اس لئے مجھے اس واقعے سے کوئی رنج نہیں۔“

”اور تو جوان۔“ ہارڈی نے عمران کو مخاطب کیا۔ ”تم واقعی بہادر ہو اور ہارڈی بہادروں کی قدر کرتا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو میرے کمرے

”ہم چلو — وہیں پر باقی باتیں ہوں گی —“

عمران مسکرا دیا۔ اس نے دونوں چاقوان کے بالکوں کو پکڑائے اور ہارڈی کے چھپے چل دیا۔ حالانکہ ہارڈی سے اب خطرے کی کوئی توقع نہیں تھی پھر بھی عمران ہوشیار تھا۔ راہداری میں داخل ہو کر ہارڈی ایک کمرے کے دروازے پر رکھا اور پھر عمران کو اندر آنے کا اشارہ کرتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔ عمران بھی ہارڈی کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ ہارڈی میز کے چھپے پڑی کرسی پر جا بیٹھا اور اس نے عمران کو صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ رہوالوہ میز پر رکھ کر وہ عمران کی طرف دیکھنے لگا۔ چند لمحے عمران کو بغور دیکھنے کے بعد بولا۔

”تم جیسے بہادر کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس پر مجھے افسوس ہے۔“
 ”اوہ مسٹر ہارڈی — مجھے شرمندہ نہ کرو۔“ عمران نے شرم جانے والے انداز میں کہا۔ ”ویسے اس بات پر مجھے افسوس ہے کہ ہارڈی جیسے مشہور اور بہادر آدمی کے گروہ میں ایک بھی آدمی کام کا نہیں ہے۔ سب نکتے اور بزدل ہیں۔“

”خیر — اب تم آگئے ہو۔ اس لئے مجھے تمام نکتے آدمیوں کو نکالنا پڑے گا۔“
 ہارڈی نے مسکرا کر کہا۔

”کیا مطلب —؟“ عمران نے چونکنے والے لہجے میں کہا۔ جو سراسر اداکاری تھی۔

”میرا مطلب ہے کہ تم میرے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔“ ہارڈی نے جلدی سے کہا۔

”کیا معاوضہ دو گے —؟“ عمران نے چند لمحے سوچنے کے بعد پوچھا۔

”دس ہزار روپیہ مال ہنہ — ہارڈی نے اس انداز میں کہا جیسے
دس ہزار نہیں دس لاکھ کہہ رہا ہو۔“

اس کی بات سنکر عمران ہنسنے لگا۔ ہارڈی چونک کر اسے گھونٹنے لگا۔
کچھ دیر عمران ہنستا رہا۔

”کیا بات ہے۔ کیا دس ہزار تھوڑے ہیں۔“ اس نے عمران سے پوچھا۔
”تمہارے خیال میں زیادہ ہوں گے۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔ ”حالا کہ
میں ایک وقت میں دس بیس آدمیوں کا اکیلا کام دے سکتا ہوں۔ آزما
کر دیکھ لو۔“

”پھر تم ہی بتا دو۔“ ہارڈی نے کہا۔

”میں کم از کم تیس ہزار روپے لوں گا۔ اس سے کم مجھے منظور نہیں۔“
عمران نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔“ مجھے منظور ہے۔ لیکن رازداری شرط ہے۔“
ہارڈی نے جلدی سے کہا۔

”تم جانتے ہو کہ جرائم پیشہ افراد سے تنازعے فی صدر رازداری کے
اصول پر مرٹھے ہیں۔“ عمران نے کہا۔

”گڈ۔“ ہارڈی نے مسکرا کر کہا۔ پھر اس نے میز کی دراز کھولی کر
نوٹوں کی ایک گڈی نکالی۔

”یہ دس ہزار ایڈوانس۔“ وہ گڈی عمران کی طرف پھینکتا ہوا بولا۔
”لیکن تمہارا نام کیا ہے۔“

”میرا نام مجنوں ہے۔“ عمران نے نوٹوں کی گڈی جیب میں رکھتے
ہوئے کہا۔

”یہ تمہارا نام ہے یا تخلص —“

”اصلی نام — تخلص تو شاعر رکھتے ہیں — میرے باپ کا نام مہینوال

تھا۔ اور دادا رانجھا تھا۔ کیا سمجھے —“

”بہت خوب — خاندانی عاشق مگتے ہو —“ ہارڈی نے منہ کر کہا

”لیکن میں صرف لاشیں بنانے کے کام سے عشق کرتا ہوں۔ تمہارے

کام کی کیا نوعیت ہوگی —“ عمران نے کہا۔

”کام —“ ہارڈی چونک کر بولا۔ پھر رازدارانہ ہجے میں بولا — ہم

نے کبھی ڈاکٹر شیطان کا.....“

ابھی ہارڈی نے اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے کی طرف سے ایک شعلہ

سا آیا اور ہارڈی کے سینے سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اور عمران نے فوراً

اچھل کر دروازے کی طرف پھلانگ لگا دی۔



تنویر اور نعمانی نے دونوں سفید ناموں کو عمران کے

فلیٹ کی جانب بڑھتے دیکھا تو ہوشیار ہو گئے۔ تنویر نے نعمانی کو اشارہ

کیا جو اس سے کچھ فاصلے پر بکسٹال پر اخبار پڑھ رہا تھا۔ وہ دونوں کافی

دیر سے سفید ناموں کی نگرانی کر رہے تھے۔ اور انھوں نے ٹیکسی سے سلیبان

کو بھی اترتے دیکھا تھا جو سرمی سوٹ پہنے بڑا سمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کے فلیٹ میں جانے کے بعد ہی سفید فام فلیٹ کی طرف حرکت میں آئے تھے۔ تنویر نے اشارے سے نعمانی کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود عمران کے فلیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں سفید فام اندر جا چکے تھے۔ اور دروازہ بند تھا۔ تنویر دبے قدموں چلتا ہوا دروازے پر پہنچا۔ اس نے بڑی آہستگی سے ہینڈل گھمایا لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔ شاید اندر سے چٹخنی بھی لگی ہوئی تھی۔ اس نے ایک لمحہ کے لئے سوچا اور پھر واپس چل پڑا۔

اسے یاد آیا کہ عمران کے فلیٹ کا ایک دروازہ عقبی گلی میں بھی کھلتا ہے چنانچہ اب وہ اس کی طرف جا رہا تھا۔ گلی میں پہنچ کر وہ عمران کے فلیٹ کے عقبی دروازے پر رکا۔ اس نے ہینڈل گھما کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ جیب سے ریو اور نکال کر اس نے ہاتھ میں پکڑا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ یہ کچن تھا۔ کچن کا دوسرا دروازہ آدھ کھلا تھا۔ جس کے راستے دوسرے کمرے کی روشنی کچن پر پڑ رہی تھی۔ تنویر دبے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کی ادٹ میں کھڑے ہو کر اس نے دوسرے کمرے میں جھانکا۔ دونوں سفید فام کمرے میں موجود تھے۔ ان میں سے ایک سلیمان کو باندھ رہا تھا۔ جبکہ دوسرا سلیمان کی طرف ریو الورتانے کھڑا تھا۔ اس کی تنویر کی طرف پشت تھی۔ تنویر خاموشی دم سادھے کھڑا رہا۔ سلیمان کو باندھ کر سفید فام نے اُسے کندھے پر اٹھالیا اور پھر دونوں سفید فام خارجی دروازے کی طرف بڑھے۔ تنویر تیزی کے ساتھ کچن سے باہر نکل آیا۔ ساتھ ہی

اس نے سائینسر لگے ریوالور سے سفید فام کے ہاتھ کا نشانہ لے کر
 فائر کر دیا۔ اور ریوالور سفید فام کے ہاتھ سے نکل کر فرش پر گر پڑا۔
 تنویر فوراً غرایا۔

”خبردار۔ کوئی بھی حرکت تمہیں اگلی دنیا میں پہنچا سکتی ہے۔“
 دونوں سفید فاموں نے بیک وقت مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک
 نے بندھے ہوئے سیمان کو فرش پر رکھ دیا اور ہاتھ بلند کر لئے۔ دوسرے
 ریوالور ہاتھ سے نکلتے ہی ہاتھ بلند کر چکا تھا۔ اس کے ہاتھ سے خون بہہ
 رہا تھا۔ تنویر نے اسے حکم دیا۔ اسے کھولو۔ جلدی کرو۔“

اس نے فوراً سیمان کے ہاتھ پاؤں کھول دیئے۔ سیمان منہ میں ٹھنسا
 ہوا رومال نکالتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اب وہ بڑی غصیلی نظروں سے سفید
 فاموں کو گھور رہا تھا۔ تنویر کی موجودگی نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔
 ”سیمان۔ اس دوسرے آدمی کی جیب سے ریوالور نکال لو۔“
 تنویر نے سیمان سے کہا۔

سیمان نے آگے بڑھ کر دوسرے آدمی کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔
 اور اس کا رخ ان دونوں کی طرف کرتا ہوا بولا۔

”اب تباؤ سفید کتو! تمہیں کہاں کہاں سوراخ کروں۔“
 دونوں سفید فام کچھ نہ بولے۔ تنویر نے سیمان سے کہا۔ ”باہر کا دروازہ
 کھول دو۔ سڑک پر نعمانی موجود ہے۔ اسے بلاؤ۔“

سیمان فوراً دروازے کی طرف بڑھا لیکن جونہی وہ دونوں سفید فاموں
 کے درمیان سے اگرتے ہوئے گزرنے لگا ایک سفید فام نے اسے چھاپ
 لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ تنویر کچھ سمجھتا اس نے سیمان کو ہاتھوں پر بلند

کر کے تنویر پر دے مارا۔ تنویر خود کو نہ بچا سکا۔ اور سلیمان کے ساتھ گر پڑا۔
 اُن کے گرتے ہی دونوں سفید فاموں نے دروازے کی طرف پھلانگ
 لگائی۔ جب تک تنویر سنبھلتا وہ دونوں دروازہ کھول کر باہر جا چکے تھے۔
 تنویر ریوا اور اٹھا کر ان کی طرف لپکا۔ جب وہ دروازے میں آیا۔ تو
 دونوں سفید فام سیڑھیاں اتر کر سیاہ رنگ کی کار کے پاس پہنچ چکے تھے۔
 تنویر نے فوراً ان پر فائر جھونک دیا۔ لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ
 سے سائیلنسر لگے ریوا اور کا شعلہ راستے میں ہی گم ہو گیا۔ سفید فام کار
 میں بیٹھ رہے تھے۔ تنویر تیزی سے سیڑھیاں اتر کر سیاہ کار کے پیچھے
 دوڑا۔ ساتھ ہی اس نے فائر کر دیا۔

گولی کار کے پچھلے لمبر سے ٹکرائی اس کے ساتھ ہی کار ایک جھٹکے کے ساتھ
 سڑک پر پھلتی چلی گئی۔ اس کی رفتار بہت تیز تھی۔ تنویر نے ادھر ادھر
 دیکھا وہی لمحے ایک کار اس کے قریب آ کر لکی اور اس کا اگلا دروازہ
 کھل گیا۔ کار میں نعمانی سوار تھا۔ تنویر نے کار میں پھلانگ لگائی اور نعمانی
 نے فوراً ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ کار تیر کی طرح سڑک پر دوڑنے
 لگی۔ دُور انہیں سیاہ کار کی عقبی بتیاں نظر آرہی تھیں۔ نعمانی نے
 رفتار میں مزید اضافہ کر دیا۔ اور جلد ہی سیاہ کار کے قریب پہنچ گئے۔
 ”میرا خیال ہے کہ اب صرف تعاقب ہی کیا جائے“ نعمانی نے کہا۔
 ”اور کچھ نہیں تو ان کی قیام گاہ کا پتہ ہی چل جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ تنویر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ”سلیمان کی بیوقوفی
 سے وہ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے۔ ورنہ میں نے انہیں کور کر کے
 ان کے ریواوروں پر قبضہ کر لیا تھا۔“

” اندر کیا واقعہ پیش آیا تھا —“ نعمانی نے اگلی کار کی عقبی بقیوں پر نظریں جمائے ہوئے پوچھا۔ اور تنویر اسے تفصیل سے عمران کے فلیٹ میں پیش آنے سے چوٹن سے آگاہ کرنے لگا۔ جب وہ خاموش ہوا تو نعمانی نے کہا۔

” بیو تو فی سیدمان کی نہیں۔ تمہاری تھی۔ تم نے پہلے انہیں باندھ لینا تھا پھر مجھے بتاتے —“

” بہر حال اب تو جو کچھ ہو چکا ہے ٹھیک ہے —“ تنویر نے کہا۔ اب کہیں موقع دیکھ کر ان کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے — ورنہ وہ کہیں جیل دے کر نکل نہ جائیں۔“

” نہیں — اب وہ ہاتھ نہیں آئیں گے۔ ہمیں ان کی قیام گاہ کا پتہ چلانا چاہیے —“ نعمانی نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

” اچھا۔ عمران کو تو اطلاع کر دیں۔ شاید وہ کوئی نئی ہدایت دے۔“ تنویر نے کلائی سے واضح ٹرانسمیٹر اتارتے ہوئے کہا۔

” ٹھیک ہے۔ یہ مناسب رہے گا۔“ نعمانی نے کہا۔ ویسے بھی ہم نے اب تک اسے کوئی رپورٹ نہیں دی۔“

تنویر واضح ٹرانسمیٹر پر عمران سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ اگلی کار اب ایک دیران سسی رٹرک پر دوڑ رہی تھی۔ نعمانی نے کچھ دیر پہلے ہی کار کی ہیڈ لائٹس بجھا دی تھیں۔ تاکہ سفید ناموں کو تعاقب کا احساس نہ ہو سکے۔

” یس۔ علی عمران اسے ایس آئی — اور؟“ دوسری طرف سے عمران کی چپکتی ہوئی آواز سن کر تنویر کا منہ بن گیا۔

” یہ پی ایچ ڈی چھوڑ کر نھانیداری کب سے سنبھال لی۔؟ اس نے

ہاگوارہ بچے میں پوچھا۔

”جب سے تم نے جولیا کا بچپا کرنا شروع کر دیا ہے۔“ عمران کی
اجمانہ آواز آئی۔

”لیکن اس وقت میں جولیا کے سفید قام عاشقوں کا تعاقب کر رہا ہوں۔“
تنویر نے غراتے ہوئے کہا: ”جو تمہارے باورچی کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔
لیکن میں نے اسے بچا لیا۔“

”ورنہ آپ کو آئندہ مونگ کی دال کھانے کو نہ ملتی۔“ نعمانی نے
تنویر کے خاموش ہوتے ہی کہا۔

”بڑا احسان کیا تم نے۔ میں اس احسان کے بدلے جولیا سے تمہاری
سفارش ضرور کروں گا۔“ عمران نے کہا۔ ”وہیے کیا بات ہوئی تھی؟“
تنویر نے پہلے تو اسے سخت جواب دینا چاہا پھر وقت کے ضیاع کا سوچ
کر اس نے گزرے ہوئے واقعات سنا ڈالے۔

”اب ہم دونوں سفید قاموں کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اس وقت ہم
راج گڑھ روڈ پر ہیں۔ اور۔“

”کھٹیک ہے۔ اگر تم نے ان کی جائے پیدائش۔ اودہ نہیں۔ جائے
رہائش معلوم کر لی تو بہت بڑا انعام دوں گا۔“

”انعام۔ کیا انعام دوں گے۔“ تنویر نے تدرے حیران ہو کر پوچھا
”جولیا اور میری شادی کا دعوتی کارڈ۔ کیا سمجھے۔ اور۔“ عمران
کی چمکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”شٹ اپ۔“ تنویر غصیلے ہجے میں بولا۔ میری طرف سے تم دونوں
جہنم میں جاؤ۔“ یہ کہہ کر اس نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا اور گھڑی کلائی پر

پر بار دھ لی۔ نعمانی کے چہرے پر سکر اسٹ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ عمر ان اور
تئویر کبھی ایک گھاٹ پانی نہیں پی سکتے۔

ایک موٹر پر اگلی کار کی عقبی روخینیاں غائب ہو گئیں تو مجبوراً نعمانی
کو لائٹس جلانا پڑیں۔ لیکن جونہی اس نے موٹر کا ٹانا سے یکدم بریک لگانا
پڑے اور گاڑی اگلی کار سے صرف دو انچ کے فاصلے پر ایک جھٹکے کے
ساتھ رک گئی۔ جھٹکا زبردست تھا۔ ابھی وہ سنبھل ہی رہے تھے کہ ان
کے دائیں بائیں چار نقاب پوش پہنچ گئے۔ اور انھوں نے ہاتھوں میں
پکڑی ہوئی سٹین گنیں تئویر اور نعمانی کی کھوڑیوں سے لگا دیں۔
تئویر اور نعمانی اس اچانک پیدا ہونے والی سچویشن سے بوکھلا گئے۔
”خاموشی سے باہر نکل آؤ۔“ ایک نقاب پوش سانپ کی
طرح پھنکارا۔ ”ورنہ۔۔۔“

”ورنہ“ کے بعد کاتئویر اور نعمانی دونوں کو علم تھا۔ نقاب پوشوں
کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں جو انسان کو چھلنی بنانے میں دیر نہیں
لگاتیں۔ اس لئے وہ خاموشی سے اور کوئی غلط حرکت کئے بغیر کار سے
نکل آئے۔ جس کار نے ان کا راستہ روکا تھا وہ نہیں تھی جس کا وہ
اب تک تعاقب کرتے رہے تھے۔ بلکہ یہ تو سفید مرسدیز تھی۔ سیاہ
کار کا وہاں نام و نشان نہ تھا۔ ایک نقاب پوش نے بڑھ کر ان دونوں
کی جیبوں سے ریوالور نکال لئے۔ پھر انہیں مرسدیز کی طرف بڑھنے
کا اشارہ کیا۔

”تم کون ہو۔ اور ہمیں اس طرح روکنے کا مطلب۔“ تئویر
نے جرات کرتے ہوئے پوچھا۔

لیکن نقاب پوشوں نے اس کا جواب منہ سے نہیں دیا۔ بلکہ ایک نقاب پوش نے سٹین گن کا بیٹ بڑے زور سے اس کے سر پر مارا۔ تنویر چکر اگر شرک پر گر پڑا۔ باقی تینوں کی توجہ بھی ایک لمحہ کے لئے تنویر کی طرف ہوئی اور نعمانی نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے نقاب پوش کے ہاتھ پر زوردار ہاتھ رسید کر کے سٹین گن پھینچی اور شرک سے نیچے نشیب کی طرف لڑھکتا چلا گیا۔ باقی تینوں نقاب پوشوں نے چونک کر تیزی سے سٹین گنوں کا رخ اس کی طرف کر کے بولٹ نکلیں گئے۔ ریٹ ٹیٹ کی آوازوں کے ساتھ بے شمار گولیاں نعمانی کی طرف بڑھیں۔ لیکن وہ تیزی سے زمین پر لیٹ گیا۔ گولیاں اس کے اوپر سے گزرتی چلی گئیں۔ فائر بند کر کے انھوں نے تیزی کے ساتھ کاروں کی آڑ لے لی۔ اور آٹھ بیس بھار بھار کر نشیب کی طرف دیکھنے لگے۔ سخت اندھیرے کی وجہ سے انھیں نعمانی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اور نعمانی فائرنگ بند ہوتے ہی ایک بار پھر چھپے ڈھکنے لگا تھا۔ تاکہ کسی مناسب جگہ کی اوٹ لے سکے۔ پھر اسے ایک ایسی جگہ مل ہی گئی۔ اور وہ ایک بڑا سا پتھر تھا۔

پتھر کی اوٹ میں لیٹ کر اس نے اوپر کی طرف دیکھا۔ یہاں سے شرک کم از کم سات آٹھ فٹ کی اونچائی پر تھی۔ اور کاروں کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔ اسی لمحے اس پر ایک بار پھر فائرنگ ہونے لگی۔ لیکن یہ فائرنگ اندھا دھند تھی اور صرف ایک سٹین گن سے ہو رہی تھی۔ نعمانی کو فائر کرنے والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بھی اندازے کی بنا پر فائرنگ شروع کر دی۔ لیکن اسی لمحے دوسری

طرف سے فائزنگ بند ہو گئی۔ اور مرڈنیر کے سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ نعمانی نے آواز سنتے ہی فائزنگ بند کر دی اور اٹھ کر تیزی سے اوپر کی طرف دوڑا۔ لیکن اتنی دیر میں مرڈنیر کا رآگے بڑھ چکی تھی۔ جب وہ سڑک پر پہنچا تو اسے مرڈنیر کی عقبی بتیاں کافی دور دکھائی دے رہی تھیں۔

نعمانی تیزی سے اس طرف دوڑا جہاں چند منٹ پیشتر اس نے تنویر کو بے ہوش کر گرتے دیکھا تھا لیکن اب وہاں تنویر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ شاید نقاب پوش اسے اٹھا کر ساتھ لے گئے تھے۔ انھوں نے ایک ہی آدمی کو غنیمت سمجھا تھا۔ ایک طویل سانس لیکر نعمانی نے سٹین گن کار کی اگلی سیٹ پر ڈال دی اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر آ بیٹھا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر اس نے سگایا اور گھرے سانس لیتا ہوا کار بیک کرنے لگا۔



کریناک چیخ بلیک زیرو کی نہیں تھی بلکہ ایک نقاب

پوش اپنے ہی ساتھ ہی گولیوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ بلیک زیرو نے بڑی مشکل سے خود کو بچایا تھا۔ فرش پر گر کر ایک لوٹ مگائی اور پھر

نقاب پوش کی ٹانگ پاؤں پر ایک جھکا دیا۔ اور وہ پشت کے بل فرش پر گرا۔ فرش پر گرتے ہی اس کے ہاتھ سے شین گن نکل گئی۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسی لمحے بلیک زیرو نے پھرتی دکھائی اور اٹھ کر تیزی سے ایک زوردار بھوک اس کے جڑے پر رسید کر دی۔ نقاب پوش چپختا ہوا دوبارہ بیٹ گیا۔ بلیک زیرو نے پک کر شین اٹھائی اور گن کا رخ اس کی طرف کر کے فائر کھول دیا۔ نقاب پوش فرش پر پڑنے لگا تھا۔ اس کے جسم میں بیسیوں سوراخ ہو گئے تھے۔ چند لمحوں بعد اس کا جسم بے حس و حرکت ہو گیا۔

پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سن کر بلیک زیرو چونکا۔ کچھ فاصلہ پر رانداری باتیں مڑتی تھی اور دوڑنے کی آواز بھی اُسی طرف سے آرہی تھی۔ اس نے تیزی سے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اُس کے دائیں ہاتھ پر ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو وہ لاک نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے تیزی سے دروازہ کھولا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ دروازے سے پشت لگا کر اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اس کمرے میں ایک گول میز اور چند کرسیاں پڑی تھیں۔ دائیں ہاتھ پر درمیانی دروازہ دکھائی دیا۔ وہ جلدی سے اُس دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی وقت دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں اس کمرے کے سامنے آ کر بند ہو گئیں۔ بلیک زیرو جانتا تھا کہ چند منٹوں میں اس کی تلاش پوری عمارت میں شروع ہو جائے گی۔ اس نے درمیانی دروازہ تھوڑا سا کھولا۔ اور دوسرے کمرے میں

جھانکا۔ اس کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا۔ البتہ دیواروں کے ساتھ دو
 پیٹنگ پڑے تھے۔ درمیان میں ایک میز پر شراب کی بوتل اور گلاس
 رکھے تھے۔ بلیک زیرو کچھ سوچتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اور ادھر
 ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر پیٹنگ کے سرانے پڑے ایک
 سیاہ نقاب پر پڑی۔

اس نے تیزی سے آگے بڑھ کر نقاب اٹھایا اور چہرے پر چڑھا
 لیا۔ اس نقاب میں اس کا سر اور پورا چہرہ سوائے آنکھوں کے چھپ
 گیا۔ نقاب کے کونے میں لکھا ہوا نمبر بھی اسے نظر آ گیا۔ اور وہ نمبر
 تیرہ تھا۔ بلیک زیرو نے وہ نمبر زیر لب دہرایا اور پھر کمرے کا دروازہ
 کھول کر راہداری میں نکل آیا۔ راہداری میں پانچ چھ نقاب پوش مرد
 نقاب پوشوں کی لاشوں کے پاس کھڑے تھے۔ انھوں نے بلیک زیرو
 کو دیکھا لیکن کوئی توجہ نہ دی۔ بلیک زیرو اطمینان سے چلتا ہوا ان
 کے قریب جا پہنچا۔ وہ سب اس واقعہ پر تبادلہ خیالات کر رہے تھے۔
 چہرے میں سے ایک ڈاکٹر باس کو اطلاع کرنے چلا گیا۔ بلیک زیرو
 دیکھ چکا تھا کہ ڈاکٹر کا کمرہ ساؤنڈ پرڈن ہے۔ اس لئے اسے فائرنگ
 کی آوازیں نہیں سنائی دی ہوں گی۔ کچھ دیر بعد سرخ نقاب والا ڈاکٹر
 ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے لاشیں دیکھیں۔ پھر وہاں جمع نقاب
 پوشوں سے کہنے لگا۔ ”تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ جاؤ اسے تلاش کرو۔
 وہ کسی کمرے میں چھپا ہوگا۔ اتنا کہہ کر وہ بلیک زیرو کا حلیہ بیان کرنے لگا
 اس کا حکم سنتے ہی سب نقاب پوش ادھر ادھر پھیل کر کمروں
 کی تلاشی لینے لگے۔ بلیک زیرو بھی ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہاں سے وہ دوسرے کمرے میں گیا۔ اس طرح اس نے تقریباً دس بارہ کمرے دیکھ ڈالے۔ اور ان کمروں میں اس نے ایسی ایسی چیزیں دیکھی تھیں اس کا ڈھن پھٹنے لگا۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ یہ گروہ آسانی سے ختم نہیں ہو گا۔ اسے ختم کرنے کے لئے باقاعدہ پلاننگ کی ضرورت تھی۔ اور پلاننگ وہ اکیلا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لئے عمران سے رابطہ قائم کرنا ضروری تھا۔ کچھ دیر بعد وہ واپس اس جگہ پہنچا جہاں ڈاکٹر اپنے دو آدمیوں کی لاشوں کے پاس کھڑا تھا۔ باقی نقاب پوش بھی آچکے تھے۔ ان سب کے سر جھکے ہوئے تھے جس سے ان کی ناکامی کا احساس ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر نے چند لمحوں سوچا۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”جاؤ۔ اپنے اپنے کام پر۔ اور ان دونوں لاشوں کو ایٹمی بمبھی میں ڈال دو۔“ یہ کہہ کر وہ مڑا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ پھر نقاب پوش بھی وہاں سے جانے لگے۔ انہوں نے دونوں لاشیں بھی اٹھالی تھیں۔ بلیک زیرو اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں سے اس نے نقاب حاصل کیا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو اسے ایک آدمی نظر آیا۔ جو لباس تبدیل کر رہا تھا۔ اس کے ٹیبلے بالوں سے ظاہر تھا کہ وہ نہا چکا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جب فائرنگ ہوئی وہ ہاتھ روم میں تھا۔ بلیک زیرو نے یہ سوچتے ہوئے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ دروازہ بند ہونے کی آواز سنتے ہی وہ آدمی چونک پڑا۔ اور زیرو نے اس کی طرف سٹین گن تان لی۔

”اوہ۔ کیا بات ہے۔ کون ہو تم۔“ اس نے جلدی سے پوچھا۔ پھر نقاب پر نمبر دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔ اوہ۔ نقاب بھی

میرا ہے۔“

”خاموش رہو۔ ورنہ تمہارے دوسرے چار ساتھیوں کی طرح تمہیں بھی اگلی دنیا میں پہنچا دوں گا۔“ بلیک زیرو اس کی طرف بڑھتا ہوا غرایا۔
 ”کک... کیا مطلب۔“ وہ آدمی ہکلاتا ہوا بولا، ”اور مجھے سننے لگا۔“
 ”رک جاؤ۔ اور مہلکہ بندہ کر لو۔“ بلیک زیرو نے سخت ہنسنے میں کہا۔
 اور وہ گھبرایا ہوا آدمی رک گیا۔

”کیا نام ہے تمہارا۔“ بلیک زیرو نے سٹین گن کی نال اس کے سینے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”راجر۔“ اس نے خوفزدہ ہنسنے میں بتایا۔

”یہاں تمہاری کیا حیثیت ہے۔“ بلیک زیرو نے دوسرا سوال کیا۔
 ”تم کیوں پوچھنا چاہتے ہو۔“ راجر نے پوچھا۔

”میں تم سے جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو ورنہ یہ سٹین گن ہے جو تمہارا جسم آن واحد میں پھلنی کر دے گی۔“ وہ غرایا۔

”میں یہاں میزائل سٹیشن ماسٹر ہوں۔“ راجر نے جواب دیا اور بلیک زیرو کا ذہن بھبک سے اڑ گیا۔ میزائل سٹیشن کی موجودگی کوئی معمولی بات نہیں تھی اس کا مطلب یہ تھا کہ مجرم اس کی توقع سے زیادہ خطرناک تھے۔ اور کسی بڑے مقصد کے حصول کے لئے انھوں نے ایٹمی انسانوں والا چکر چلایا تھا۔

”دیکھو دوست۔ اگر تم نے میرے تمام سوالوں کے جواب درست دیئے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم زندہ گے۔ لیکن اگر تم نے ذرہ بھی جھوٹ بولا تو پھر میں تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔ یہ یاد رکھنا کہ صرف دس منٹ بعد یہاں ماسٹر ریڈ ہونے والا ہے اور تمہارے

باسمیت سب لوگ پکڑے جائیں گے۔“ بیک زبرد نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”تم پوچھو۔ جو کچھ مجھے معلوم ہوگا۔ بتا دوں گا۔“ راجنہ کمرور لہجے میں کہا۔ ملٹری ریڈ کاسٹنگ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ پھر بیک زبرد اس سے اپنے مطلب کی معلومات حاصل کرنے لگا۔



اقبال سٹریٹ شہر کا بارونق علاقہ تھا۔ خریداری کا سب سے بڑا مرکز اور فیشن ایبل طبقہ کی تقریر گاہ — صبح کے دس بجے تھے۔ سڑک پر لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ لوگ روزمرہ کے معمول کے مطابق آج رہے تھے۔ لیکن اچانک وہاں پر ہر چیز کی حرکت رک گئی۔ ٹریفک جام ہو گئی اور لوگوں نے چلنا بند کر دیا۔ وہ سب منہ اٹھا اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ فضاء میں تقریباً ستر اسی فٹ کی بلندی پر سرخ رنگ کا ایک گولہ بڑی تیزی سے گھوم رہا تھا۔ اس کا سائز عام فٹ بال کے برابر تھا اور اس کے گھومنے سے کان بھاڑ دینے والی آواز پیدا ہو رہی تھی۔ جو لوگ دکانوں یا مکانوں کے اندر تھے۔ وہ باہر نکل نکل کر حیرت سے اس سرخ گولے کو دیکھ رہے تھے۔ گولہ ایک منٹ تک فضا

میں ایک جگہ پر گردش کرتا تھا۔ پھر اس کی گردشیں یکدم ختم گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی گونج دار آواز بھی بند ہو گئی۔ لیکن ایسا چند سیکنڈ کے لئے ہی ہوا تھا۔ کیونکہ پھر ایک انسانی آواز سنائی دینے لگی تھی۔ وہ آواز اتنی بلند تھی کہ میلوں تک باسانی سنائی دے رہی تھی اور آواز کا خراج وہی سرور نکلا تھا۔

پاکستان کے سادہ لوگوں — تم سے ڈاکٹر شیطان مخاطب ہے — میں یعنی ڈاکٹر شیطان کافی عرصہ سے محسوس کر رہا تھا کہ تمہارے ملک کو ایک ایسے حکمران کی ضرورت ہے جو تمہاری امنگوں اور خواہشوں کے عین مطابق ہو۔ اور وہ حکمران میں خود کو سمجھتا ہوں۔ میری قیادت تمہیں تمہارے پڑوسی ملک کے متوقع حملوں اور امریکہ جیسے ایٹمی ملک کی ریشہ دوانیوں سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز کر دے گی کیونکہ میں نے ایٹمی بم تیار کر لئے ہیں۔ سائنسی اور فوجی طاقت کے لحاظ سے میں امریکہ اور روس سے زیادہ طاقتور ہوں۔ تم نے میری طاقت کا ایک معمولی مظاہرہ کلی کے واقعات سے دکھایا ہو گا۔ میرے چند غلاموں نے پرنسٹن چوک کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ لیکن موجودہ حکومت کی پولیس میرے غلاموں کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ اس لئے کہ میرے وہ غلام عام انسان نہیں بلکہ ایٹمی انسان تھے۔ ابھی تک امریکہ یا روس کسی نے ایسے ایٹمی انسان نہیں بنائے۔ میں نے ایسے میزائل بنائے ہیں جو پلک جھپکنے میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے نشانے پر لگتے ہیں۔ اب تم خود غور کرو کہ تمہارا موجودہ حکمران تمہارے لئے بہتر ہے یا میں۔ اگر تم مجھے اپنا حکمران تسلیم کرتے ہو تو موجودہ حکمران سے حکومت چھین لو۔ لیکن اگر تم نے اس کے

بیکس فیصلہ کیا تو اس ملک کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ میری طاقت کا ایک معمولی مظاہرہ تم دیکھ چکے ہو۔ اب ایسے مظاہرے روزانہ ہونگے اس وقت تک جب تک تم اپنے حکمران کو ہٹا نہیں دیتے اور میری اطاعت قبول نہیں کرتے۔ کل شام میں اپنے ایجاد کردہ ایٹمی میزائلوں کا مظاہرہ کروں گا۔ میزائلوں کا نشانہ ملک کا کونسا حصہ ہوگا یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا۔ تم خود ہی دیکھ لو گے۔

میں تمہیں چھتیس گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔ اگر اس دوران موجودہ حکمران اقتدار سے دستبردار نہ ہو گئے تو پھر اس ملک کو کھنڈر ہونے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ اس سے پہلے میں نے تمہارے حکمران کو اقتدار سے علیحدہ ہونے کا حکم دیا تھا لیکن ابھی تک میرے حکم پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ اور میری حکم عدولی کا انجام وہ خود دیکھ لے گا۔ گڈ بائی۔ اس کے ساتھ سے گولے سے آواز آنا بند ہو گئی اور وہ پھر سے گھومنے لگا۔ گونج دار آواز دوبارہ پیدا ہونے لگی تھی۔ لیکن اس بار گولہ ایک ہی جگہ پر نہیں تھا۔ وہ بتدریج بلند ہو رہا تھا۔ پھر جب وہ تقریباً دو سو فٹ کی بلندی پر پہنچا تو ایک کان بھاڑ دینے والے دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ دھماکہ اتنا شدید تھا کہ نیچے ٹھہرے ہوئے لوگوں میں سے کوئی بھی اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ تمام لوگ زمین پر گر پڑے۔ عمارتوں کے شیشے ٹوٹ گئے اور ارد گرد کے علاقوں میں رواں دواں گاڑیاں حادثات کا شکار ہو گئیں۔

ڈاکٹر شیطان کی آواز حکومت کے ارکان نے بھی سنی تھی۔ چنانچہ فوری طور پر ایک اعلیٰ سطحی اجلاس بلا لیا گیا۔ اجلاس کی صدارت خود

سربراہ مملکت نے کی۔ اس اجلاس میں سرسلطان اور سررحمان بھی شامل تھے۔ سرسلطان کے ذریعے ایکسٹو کو بھی بلا یا گیا تھا لیکن سرسلطان بلوچوں کو شش کے نہ تو عمران سے رابطہ پیدا کر سکے اور نہ ہی بلیک زیرو ملا۔

جھوڑا انہیں ہی ایکسٹو کی طرف سے معذرت کرنا پڑی۔ اجلاس میں انہوں نے ایکسٹو کے نہ آنے کی یہ وجہ بتائی کہ ایکسٹو ڈاکٹر شیطان کے سلسلے میں مصروف ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنے کسی نمائندے کو بھی نہیں بھیج سکتا۔ لیکن وہ عمران کو تو بھیج سکتا تھا۔ وہ کہاں ہے؟ سرسلطان کے قریب بیٹھے رحمان صاحب نے سرگوشیاں لہجے میں کہا۔

”وہ احمق آدمی ہے۔ اگر وہ یہاں آجاتا تو آپ نے اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دینا تھا۔“ سرسلطان نے مسکرا کر کہا۔ ”میں نے جھوٹ تو نہیں کہا۔“ رحمان صاحب نے کوئی جواب نہ دیا۔ کہتے بھی تو کیا کہتے۔

سرسلطان نے سچ ہی کہا تھا۔ عمران کو دیکھ کر انہیں خواہ مخواہ تاؤ آنے لگتا تھا۔ لیکن کبھی کبھی جذبہ شفقتِ پدری جاگ اٹھتا تھا۔ اس وقت بھی ایکسٹو کی خالی سیٹ دیکھ کر ان کے دل میں یہی آیا تھا کہ عمران کو اس سیٹ پر موجود ہونا چاہیئے تھا۔ اور وہ اس سلسلے میں سرسلطان سے پوچھے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ لیکن سرسلطان کا طنز یہ جملہ سنکر اُن کے دل پر ایک گھونہ سا لگا تھا۔





عمران ارڈی کے کمرے سے نکل کر راہداری میں دوڑتا

چلا گیا۔ جب وہ راہداری کے آخری سرے پر پہنچا تو اسے ایک غنڈہ ٹائپ آدمی بار کے دروازے سے باہر نکلتا نظر آیا۔ عمران نے فوراً دروازے کی طرف دوڑ لگائی۔ باہر نکلتے ہی اس نے سڑک پر کھڑی ایک بیوک کو سٹارٹ ہوتے دیکھا پھر اس سے پہلے کہ عمران اس تک پہنچتا کار سٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ عمران رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دائیں طرف ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ وہ تیزی سے ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ ٹیکسی میں ڈرائیور موجود نہیں تھا۔ شاید وہ بار میں تھا۔ عمران نے اپنی مہارت سے کام لیا اور انجن سٹارٹ کر لیا۔ یہ عمران کا کمال تھا کہ وہ بغیر چابی کے انجن سٹارٹ کر لیا کرتا تھا۔ گیئر بدل کر اس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔ ٹیکسی ایک جھٹکے کے ساتھ سڑک پر دوڑتی چلی گئی۔ اگلی کار کی عقبی بتیاں عمران کو نظر آرہی تھیں۔ عمران نے رفتار میں اضافہ کر دیا۔ جلد ہی وہ اگلی کار کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے رفتار گرا دی۔ اور مناسب وقفہ دے کر بیوک کا تعاقب کرنے لگا۔

اسی لمحے اسے وائچ ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا۔ ایک ہاتھ سے شیفٹرک سنبھالتے ہوئے اس نے وائچ کا ونڈ ٹن باہر کی طرف کھینچا۔

دوسری طرف تنویر تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی عمران کی رگِ شہادت پھڑک اٹھی۔ کچھ دیر کی مغز ماری کے بعد اس نے تنویر کو ہدایت دی اور ٹرانسمیٹر وائچ کا ونڈ بیٹن اندر کی طرف دبایا۔ پھر وہ پوری توجہ کے ساتھ اگلی کار کا تعاقب کرنے لگا۔ دونوں گاڑیاں ابھی شہری علاقے میں دوڑ رہی تھیں۔ شاید اگلی کار والوں کو اپنے تعاقب کا احساس نہیں تھا۔ ورنہ وہ عمران کو جل دینے کی کوشش کرتے۔ جلد ہی وہ شہر کے آخری سرے پہنچ گئے۔ پھر اگلی کار چوہان سوئٹھی کی طرف مڑ گئی۔ عمران نے کچھ سوچ کر اپنی گاڑی کی ہیڈ لائٹس آف کر دیں۔ اس کا اندازہ تھا کہ اب تعاقب کا اختتام ہونے والا ہے۔ پھر ہوا ابھی یہی۔ اگلی کار کالونی کی تیسری لائن کی ایک کوٹھی کے گیٹ پر رک گئی۔ عمران نے بھی فوراً بریک لگاٹے اور گاڑی کافی پیچھے روک لی۔ بیوک سے مخصوص اندازہ میں ہارن بجا یا گیا۔ چند لمحوں بعد بیوک اندر داخل ہو گئی۔

عمران ٹیکسی کا انجن بند کر کے نیچے اتر آیا۔ اس دوران وہ اپنا غٹے والا بیگ اپنے منہ پر چپکا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کوٹھی کی طرف بڑھنے لگا جس میں بیوک کار داخل ہوئی تھی۔ کوٹھی کے گیٹ کے سامنے وہ ایک لمحہ کے لئے رکا اور پھر آگے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دور جا کر وہ واپس پلٹا اور ٹیکسی میں آ بیٹھا۔ اس نے گھڑی پر دقت دیکھا۔ اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ اس نے وائچ ٹرانسمیٹر پر صفدر سے رابطہ قائم کیا۔ لیکن پھر اس کے زخمی ہونے کا احساس ہوتے ہی اس نے فریکوئنسی تبدیل کر کے چوہان سے سلسلہ ملایا۔

”ہیلو مشر چوہان۔ عمران کا لنگ یو۔۔۔ اور یہاں اس نے گھڑی کو

منہ کے قریب کر کے کہا ۔

”ایس عمران صاحب — چوہان بول رہا ہوں — اور —“ چوہان کی
خمار آواز سنائی دی ۔

”چوہان سوسائٹی میں دوڑے چلے آؤ — کالونی کی میسری لائن میں ایک
ٹیکسی میں بیٹھا ہوا ہوں — اور —“ عمران نے کہا ۔

”کیا اکیسے ہی ہیں — اور —“ چوہان کی ہنستی ہوئی آواز سنائی دی ۔
”نہیں — کیسے نہیں ہیں ۔ کیوں بھوک محسوس ہو رہی ہے —؟“ عمر
نے چونکنے والے انداز میں کہا — دوسری طرف سے چوہان بے اختیار ہنسنے لگا ۔
”میں نے کب آپ سے کیلوں کا پوچھا ہے —؟ میں نے تو کہا تھا
کہ آپ اکیسے ہی ہیں یا کوئی اور بھی ساتھی ہے —“

”نہ کوئی ساتھی نہ کوئی ساتھی میں اس دنیا میں اکیلا ہوں — اکیلا ہوں —“
عمران نے جھجھوم کر گایا — اور فوراً ہی ٹرانسمیٹر بند کر دیا — اتنا وقت نہیں
تھا کہ وہ چوہان سے بحث کرتا — یونے بارہ بج رہے تھے — ہو سکتا
تھا کہ چوہان کے آنے سے پہلے ہی تجربوں کی کوٹھی سے کوئی نکل کر کہیں
جاتا تو اسے ہر صورت میں تجربوں کا تعاقب کرنا پڑتا اور اس طرح کوٹھی کی
نگرانی کون کرتا — اسی لئے اس نے چوہان کو حلد آنے کی ہدایت کی تھی —
تاکہ اسے نگرانی کا کام سونپ کر وہ خود کچھ کر سکے ۔

اچانک داہج ٹرانسمیٹر کا سرخ بلب سپارک کرنے لگا — اس نے تیزی
سے ڈنڈ — ٹن — باہر کی طرف کھینچ ڈالا — دوسری طرف سے فانی کی آواز
سنائی دے رہی تھی ۔

”ہیلو — ہیلو عمران صاحب — نعمانی کالنگ — اور —“

”کہو بر خود دار۔ کیا تیرا رہا ہے۔“ عمران مکر کر پوچھا۔ ”میں اب تمہیں کال کرنے ہی والا تھا۔ لیکن میں بھی جانتا تھا کہ مجرموں کے ٹھکانے پر پہنچ کر تم خود ہی کال کرو گے۔ اور میرا اندازہ درست نکلا۔ اس لئے تنویر کو میری طرف سے مبارک باد دے دو کہ.....!“

”سنئے تو سہی۔“ نعمانی نے اس کی بات کاٹ دی۔

ارے میں سب جانتا ہوں۔ اب وہ جیسے بہانے کرے گا۔ شاید اسے جو بیا اور میری شادی میں آنا گوارا نہیں۔ خیر کوئی بات نہیں لیکن تم وعدہ کرو کہ ضرور آؤ گے۔ اور اپنے چوہے ایکسٹو کو بھی ساتھ لاؤ گے اور.....“ عمران کا چرخہ ایک بار پھر چل پڑا۔

”ایکسٹو کی بیگم کو بھی لاؤ گے۔ یہی کہنا ہے نا آپ کو۔“ نعمانی نے جلدی سے اس کا فقرہ مکمل کرتے ہوئے کہا۔

”داہ۔ ایکسٹو کی بیگم۔“ عمران احمقانہ انداز میں ہنسا۔ ارے وہ پیدائشی لنڈورا ہے۔ وہ کیا جانے بیگم کیا ہوتی ہے۔ اور سنو۔ اس میں شادی یا عشق کے جراثیم ہی نہیں۔

”اُن خدا یا۔ آپ تو۔“ نعمانی نے ایک بار پھر بات کرنے کی کوشش کی۔ لیکن عمران بھلا کب اسے بات کرنے دیتا تھا۔

”اب تم اس کی دکالت کرو گے۔ سفارش کرو گے۔ لیکن میں اسے کبھی بھی شادی میں مدعو نہیں کر سکتا۔ سمجھے۔“ عمران نے عصبے لہجے میں کہا۔

”لیکن اس بار دوسری طرف سے نعمانی کچھ نہیں کہا۔ خاموش رہا۔ عمران سمجھ گیا کہ نعمانی اکتا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نعمانی کو پکارا۔“

”ارے ادھبائی خوبانی — اودہ سوری — نعمانی — سو گئے کیا —“

”نہیں — لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ رپورٹ سننا نہیں چاہتے —“
نعمانی کی آواز سنائی دی جس میں ناگواری کا عنصر شامل تھا۔

”ہاں — اودہ یاد آگیا — خوب — کمال ہے — میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تم
نے مجھے رپورٹ دینے کے لئے کال کیا تھا۔ اور میں شادی بیاہ کا مسئلہ
لے بیٹھا۔ شاید لوگ صحیح کہتے ہیں۔ میں واقعی احمق ہوں۔ تمہارا کیا خیال
ہے —“ عمران نے آخر میں اس سے سوال کیا۔

”بھلا میں کیا خیال ظاہر کر سکتا ہوں۔ آپ اپنے بارے میں مجھ سے
زیادہ جانتے ہوں گے —“ دوسری طرف عمران کے بچے میں طنز تھا۔
”اچھا — تم تیزی سے اپنی رپورٹ دے دو — میرے پاس وقت
کم ہے —“ عمران نے گھڑی پر وقت دیکھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن پولیس
رپورٹ نہ ہو —“

دوسری طرف سے نعمانی اپنی ناکامی کی داستان سنا رہے تھے۔ عمران کے
چہرے پر شدید غصے کے آثار پیدا ہوئے۔ لیکن جب نعمانی نے بتایا کہ
وہ تنویر کو سانحہ لے گئے ہیں تو وہ مسکرا دیا۔ اس امید پر کہ شاید تنویر
مجرموں کی قید میں پہنچ کر اسے کال کرے۔ اور کوئی معلومات دے۔

”اچھا — اب تم ہارڈی کے شراب خانے پہنچ جاؤ۔ وہاں پر ہر ایک
پر نگاہ رکھو۔ اور کسی مشکوک آدمی کو دیکھو تو مجھے مطلع کرنا —“ عمران نے
اس کا بیان ختم ہونے کے بعد کہا۔ ”اگر کوئی میک اپ میں ہو تو اس کی
بھی نگرانی کرو۔“ اور اینڈ آف — یہ کہہ کر عمران نے ٹرانسمیٹر وناچ
کا ڈنڈ بین اندر کی طرف دبا دیا۔ اس وقت سوا بارہ بج رہے تھے۔ اور

چوہان کا بھی تنک کو کی پتہ نہیں۔ عمران نے جیونم کا پیس منہ میں ڈالا اور جگالی کرنے لگا۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد کسی گاڑی کے انجن کی آواز سنائی دی جو بندرگج تیز ہوتی جا رہی تھی۔ پھر ایک سیاہ کار عمران کی ٹیکسی کے پیچھے آ کر رک گئی اور اس میں سے چوہان برآمد ہوا۔ وہ سیدھا عمران کی طرف بڑھا۔ لیکن عمران خود بھی ٹیکسی سے اتر آیا۔

”اتنی دیر۔“ عمران آہستہ سے غریبا۔ اور اسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا نمبر دل کی کوٹھی کی طرف بڑھنے لگا۔ کوٹھی کے قریب پہنچ کر اس نے گیٹ کو آہستہ سے چھتھپایا۔ اور ساتھ ہی ریوالور نکال کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔ چوہان اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ چند لمحوں بعد گیٹ کی ذیلی کھڑکی کھلی اور اس میں سے کسی نے جھانکا۔ عمران کھڑکی کے قریب ہی تھا۔ اس نے تیزی سے ہاتھ بڑھا کر جھانکنے والے کے سر کے بال پکڑ کر باہر کھینچ لیا۔ اور ساتھ ہی ریوالور کا دستہ اس کی کھوپڑی پر سید کر دیا۔ وہ آدمی وہیں ڈھیر ہو گیا۔ عمران نے اس کو کاندر سے پراٹھا یا اور کھڑکی سے اندر پھینک دیا۔ پھر خود بھی اندر داخل ہو گیا۔ دائیں ہاتھ پر چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ عمران نے احتیاطاً اس کا جائزہ لیا۔ کوٹھڑی خالی تھی۔ اور اس میں کم پاور کا بیب جل رہا تھا۔ عمران نے چوہان کو اشارہ کیا۔ چوہان نے بیہوش آدمی کو اٹھایا اور کوٹھڑی میں لے آیا۔ عمران نے اس کے سر پر ریوالور کا دستہ رسید کر دیا۔ اب وہ آدمی جو گیٹ کی پیر تھا تین گھنٹے سے پہلے ہوش میں نہیں آ سکتا تھا۔

کوٹھڑی کا دروازہ باہر سے بند کر کے وہ آہستہ آہستہ اصل عمارت کی

طرف بڑھنے لگے۔ جو تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ چند ایک کمرؤں کی کھڑکیوں سے
 نائٹ بلب کی فلیگول روشنی جھانک رہی تھی۔ دونوں آگے پیچھے دبے قدموں
 چلتے ہوئے وہ برآمدے میں پہنچ گئے۔ عمران نے رک کر سن گن لینے کی
 کوشش کی اور اسے کسی کی تیز گراہوں کی آوازوں نے چونکا دیا۔ اس
 نے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا۔ آواز راہداری کے آخری سرے پر بنے
 کمرے سے آرہی تھی۔ عمران نے چوہان کو سرگوشیاں بھبھے میں ہوشیار
 ہونے کی تاکید کی اور پھر دونوں دبے قدموں اس کمرے کی طرف بڑھنے لگے
 جس میں سے گراہیں ابھیر رہی تھیں۔ ابھی وہ کمرے سے مدھری تھے انہیں
 ایک آواز سنائی دی۔

”اگر تم نے اب بھی زبان نہ کھولی جاسوس کے بچے۔ تو یہی سلاخیں تمہاری
 آنکھوں میں گھسیڑ دوں گا۔“

”جاسوس کے بچے۔“ یہ الفاظ سن کر عمران چونکا۔ چوہان بھی حیران تھا
 کہ یہاں پہلے سے کون سا جاسوس آگیا۔ کہیں اس کا کوئی ساتھی تو تشدد کا
 نشانہ تو نہیں بن رہا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ عمران نے جھک کر کی ہول
 سے آنکھ لگا دی۔ لیکن دوسری طرف کا منظر دیکھتے ہی اس کے جسم کا سارا
 خون چہرے پر سمٹ آیا۔ اور آنکھیں شعلے اگلنے لگیں۔ بات ہی کچھ ایسی تھی کہ
 اس کا خون کھولنے لگا تھا۔ کمرے کے درمیان میں خاور ایک کرسی پر
 جاڑا بیٹھا تھا۔ اس کا بالائی دھڑنگا تھا جس پر گوشت کے جلنے کے داغ
 تھے۔ اس کے دائیں طرف سفید فام کھڑے تھے۔ جن میں سے ایک کے
 ہاتھ میں سرخ دھتکتی ہوئی سلاخیں تھیں۔ قریب ہی فرش پر الیکٹرک ہٹیر چل
 رہا تھا۔ خاور کے بائیں جانب بھی دو سفید فام کھڑے تھے۔ اور خاور خاموشی

سے نچلے ہونٹ کو دانتوں تک پہنچے کسی مجسمے کی طرح ساکت سامنے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر عمران نے سلاخوں والے کو سلاخیں خاور کے چہرے کی طرف بڑھاتے دیکھا۔ اس نے فوراً سیدھے ہو کر دروازے پر ایک لات جمائی۔ دروازہ کھلا اور وہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوا۔ ساتھ ہی اس کے ریوالور نے شعلہ اگلا اور سلاخوں والا کوئی آواز نکالے بغیر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی کھوپڑی سے خون کا فوارہ ابل پڑا تھا۔

باقی تینوں نے بوکھلا کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں کھڑے عمران اور چوہان ریوالور کا رخ ان کی طرف کر چکے تھے۔

۔ ہینڈ ناپ! عمران غرایا۔ ان تینوں میں سے ایک نے تیزی کے ساتھ جیب کی طرف ہاتھ ڈالا۔ عمران کے خاموش ریوالور کے دوسرا شعلہ اگلا اور اس کی ہتھیلی میں سوراخ ہو گیا۔ گولی لگتے ہی اس کے منہ سے تیز چیخ نکل گئی۔ اور باقی دو نے خوفزدہ ہو کر تیزی سے ہاتھ بلند کر لئے کرسی سے بندھے خاور کے نقاب ت آئینہ چہرے پر اب اطمینان کے آثار تھے اور وہ مسکرا رہا تھا۔ ملزموں نے اس پر پوچھے کچھ کے سلسلے میں کافی تشدد کیا تھا لیکن اس نے ایک لفظ بھی نہیں بتایا تھا۔ عمران نے تینوں سفید کی طرف دیکھا۔ ان میں سے ایک وہ تھا جس کا وہ یہاں تک تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔

”تم ان کی جلیبوں سے ریوالور وغیرہ نکال لو۔“ عمران نے چوہان کو ہدایت کی۔ چوہان نے ان کی تلاش کی اور ریوالور نکال لئے۔ پھر اس نے خاور کی رسیاں کاٹیں۔ خاور کرسی پر کھڑے ہو کر ہاتھوں کو ملنے لگا۔ عمران سفید قاموں کو حکم دیا۔

”اب تم تینوں سامنے والی دیوار کی طرف منہ پھیر لو۔“ شب باش —
در نہ میں کوئی رعایت نہیں کروں گا۔“

اپنے ایک ساتھی کا انجام ان کے سامنے تھا۔ چنانچہ انھوں نے کچھ
بولے بغیر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ عمران نے خاور کو اشارہ کیا۔ اس
نے ایک ریوالور اٹھا لیا۔ پھر ان تینوں کے ریوالوروں کے دستے بک توت
سفید فاموں کی کھوپڑیوں پر پڑے تھے۔ وہ تینوں تہورا کوفرشش پر
گر پڑے۔

”خاور۔ تم ان کی نگرانی کرو۔ ہم باقی لوگوں کو دیکھتے ہیں۔“ عمران
نے خاور سے کہا اور چوہان کے ساتھ کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہاں سے
نکل کر وہ ایک اور کمرے میں داخل ہوئے۔ یہاں ایک پٹنگ پر کوئی سو رہا
تھا۔ عمران دبے قدموں چلتے ہوئے پٹنگ کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے
ایک جھٹکے کے ساتھ سوئے ہوئے آدمی سے چادر کھینچ لی۔ سویا ہوا
آدمی بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ وہ بھی سفید تھا۔ پھر عمران اور چوہان پر نظر پڑتے
ہوئے اس کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی۔ کیونکہ ان دونوں کے
ریوالور کا رخ اسی کی طرف تھا۔

”تت۔۔۔ تم کون ہو۔“ اس نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”ہم تمہارے سوالوں کا جواب نہیں دینے آئے برخوردار۔“ عمران
نے احمقانہ لہجے میں کہا اور پھر تیزی سے ریوالور کے دستے سے اس کی کھوپڑی
بکا دی۔ وہ سفید فام لیستر پر ہی ڈھیر ہو گیا۔ عمران اسے بے ہوش کرنے
بعد کمرے سے چوہان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پھر وہ دوسرے کمروں کی
تلاشی لینے لگے۔ لیکن مزید کوئی آدمی نہ ملا۔ پھر عمران کے حکم پر خاور اور چوہان
بے ہوش سفید فاموں کو اٹھا اٹھا کر کاریں ڈالنے لگے۔



ٹھیکے چار بجے شام کلفٹن کے مرکزی علاقے میں ایک
 سگار نما میز اُبل آواز کی رفتار سے پرواز کرتا ہوا آیا اور ایک بلند عمارت سے
 ٹکرا کر زبردست دھماکے سے پھٹ گیا۔ وہ دھماکہ تھا یا صور اسرافیل۔ آن
 واحد میں سینکڑوں عمارتیں زمین بوس ہو گئیں۔ اور ہزاروں لوگ دیکھتے
 ہی دیکھتے لقمہ اجل بن گئی۔ گاڑیاں تباہ ہو گئیں اور تباہی کا ایک
 سیلاب سا امڈ آیا۔ کلفٹن کا یار دلق اور خولصورت علاقہ چند سیکنڈ
 میں طے کا ڈھیر بن گیا۔ کوئی کسی سے پوچھنے یا بتانے والا زندہ نہ رہا۔
 ہر طرف آگ اور دھواں پھیل گیا۔ اور انسانیت ماتم کرنے لگی۔ ہوا میں
 سسکیاں لینے لگیں اور آسمان نے اس بھیانک منظر کو دیکھ کر آنکھیں بند
 کر لیں۔ ایک شیطان نے اپنا کہا پورا کر دکھایا تھا۔ اس کے جنوں کی بھینٹ
 بے گناہ شہری چڑھے تھے۔ شیطان نے ایک دن پہلے ہی اپنی طاقت
 کے اس مظاہرے سے لوگوں کو آگاہ کر دیا تھا۔ اس نے جگہ کا تعین نہیں
 کیا تھا۔ اس لئے کوئی بھی حفاظتی تدابیر نہ کر سکا تھا۔

اور کلفٹن میں ہونے والا دھماکہ پورے شہر میں بلکہ بیرون شہر میں بھی
 سنا گیا تھا۔ فوراً ہی حکومت کی گاڑیاں حرکت میں آ گئیں اور کلفٹن کی
 طرف دوڑنے لگیں۔ ان میں زخمیوں کو اٹھانے والی ایمبولینس گاڑیاں بھی

موجود تھیں۔ لیکن جب وہ جائے واردات پر پہنچے تھے تو انہیں ایک بھی زخمی نہیں دکھائی دیا تھا۔ سب ہلاک ہو چکے تھے۔ فوجی کارروائی شروع ہو گئی۔ انہیں نے مے سے لاشیں نکالنی شروع کر دیں۔ لیکن وہاں ایک دو لاشوں کا مستند نہیں تھا۔ وہاں تو سینکڑوں لاشیں تھیں اور ہزاروں انسانی اعضاء اور ہڈیاں بکھرے ہوئے تھے۔ زندہ بچ جانے والے موجودہ حکومت کو گالیاں دے رہے تھے۔ جو اس حادثے سے بچنے کا قبل از وقت انتظام نہیں کر سکی تھی۔ حکمرانوں کو عہدوں سے دستبردار ہو جانا چاہیے تھا۔ تاکہ فاکٹر شیطان اپنے ایٹمی میزائلوں کو بے گناہ شہریوں پر نہ آزماتا۔ لیکن حکومت کچھ بھی نہیں کر سکی تھی۔ اور فاکٹر شیطان نے ایٹمی میزائل نے آن کی آن میں شہر کا ایک حصہ کھنڈر بنا کر رکھ دیا تھا۔ اور یہ صرف طاقت کا مظاہرہ تھا۔ اگر اسے میزائل استعمال کرنے سے کوئی نہیں روک سکا تھا تو ایٹم بم برسانے سے کون روک سکتا تھا۔

عمران نے اپنے ٹیلیٹ میں وہ دھماکہ سنا تھا۔ لیکن اسے معمولی بات سمجھ کر نظر انداز کر گیا۔ اسے علم نہیں تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں کیا ہوتا رہا ہے۔ رات چرموں کو پکڑنے کے بعد وہ انہیں دالٹس منزل لے گیا تھا۔ وہاں پر اس نے انہیں لاک اپ میں تشدد کا نشانہ بنایا لیکن ان میں سے کوئی بھی کچھ نہ بتا سکا۔ صرف اتنا معلوم ہوا کہ انہیں مارٹن اور جیگر کے نام کے آدمیوں سے ہدایت ملتی تھیں۔ اور ابھی تک ان کوئی برا کام بھی نہیں لیا گیا تھا۔ مارٹن اور جیگر کون تھے اور کہاں رہتے تھے یہ انہیں بھی علم نہیں تھا۔ عمران نے اندازہ لگا لیا کہ وہ سیج کہہ رہے ہیں تو اس نے انہیں پھوڑ دیا اور چوہاں اور خاور کی ڈیوٹی لگا دی کہ ان کا طاقت

نگرانی کریں اور ان سے ملنے والے ہر آدمی کو ٹریس کریں۔ پھر وہ فلیٹ میں جب آیا تو صبح ہو رہی تھی۔ اس لئے سو گیا۔ شام تین بجے جاگا تھا۔ اور پھر چار بجے جب وہ لباس تبدیل کر رہا تھا اس نے دھماکہ سنا۔ سلیمان بازار گیا ہوا تھا۔ اب عمران کو سلیمان کا انتظار تھا۔ سلیمان آتا تو وہ کہیں جاتا۔

ایک گھنٹہ بعد سلیمان فلیٹ میں داخل ہوا تو بہت گھبرایا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے موت کا منہ دیکھ کر آ رہا ہو۔ عمران نے اس کی حالت دیکھی تو چونک پڑا۔ سلیمان کرسی پر گر کر ہانپنے لگا تھا۔

”اے تجھے کیا ہوا۔ کیوں منہ ٹکائے ہانپ رہا ہے۔ کیا دڑتا ہوا آ رہا ہے؟“ عمران نے ایک ہی سانس میں پوچھ ڈالا۔

”بس کچھ نہ پوچھیں صاحب۔ آج تو خدا یاد آ گیا ہے۔“ سلیمان نے غمناک لہجے میں کہا۔

”خدا یاد آ گیا۔ کیا عیاش بیوہ دیکھ کر۔“ عمران نے جلدی سے پوچھا۔
 ”توبہ توبہ۔ آپ کو تو ہر وقت مذاق سوچتا ہے۔“ سلیمان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

”میں پوچھتا ہوں تجھے آج ہی خدا کیوں یاد آیا۔ کل جب عیاش بیوہ دیکھی تھی تب کیوں نہیں یاد آیا۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”اگر آپ وہ منظر دیکھ لیتے تو پھر پتہ چلتا“ سلیمان نے کہا۔ ”اٹ۔“

سلیمان نے جھجھری ماری۔
 ”تو نے دیکھ لیا وہ منظر۔ بس یہی کافی ہے۔“ عمران نے سر

ہلاتے ہوئے کہا: ”اچھا تو کے نوٹ سے بقایا رقم تو دو۔“

بقایا رقم کا مطالبہ سنتے ہی سلیمان جلدی سے بول پڑا: ”صاحب۔
آپ نے دھماکے کی آواز سنی تھی۔“

”ہاں۔ لیکن وہ دھماکہ تمہارے پھٹنے کا نہیں تھا۔ اس لئے جلدی سے۔“
”واہ صاحب واہ۔“ سلیمان اس کی بات کاٹ کر بولا: ”آپ اس
مصیبت کے وقت بھی رقم کی بات کر رہے ہیں۔“

”اور پھر کیا کروں۔ تو ہی کوئی مشورہ دے۔“ عمران نے بے چارگی
سے کہا۔

”آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کلفٹن کا پورا علاقہ تباہ و برباد ہو گیا ہے اور
کوئی بھی انسان زندہ نہیں بچا۔“ سلیمان نے کہا۔

”اوہ۔“ عمران چونکا: ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔“

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ ابھی ابھی مجھے ایک واقف کار ملا تھا۔ اس نے
بتایا کہ ڈاکٹر شیطان کے ایٹمی میزائل سے کلفٹن میں تباہی پھیل گئی
ہے۔ بیسیوں عمارتیں اور سینکڑوں انسان اس دنیا سے انتقال کر گئے
ہیں۔“ سلیمان نے بتایا۔

اس کی بات سن کر عمران یکدم صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ڈاکٹر
شیطان نے ایٹمی میزائل پھینکا تھا۔ یہ خیال اس کے ذہن کو کچھ کے نگا
رہا تھا۔ اس نے فوراً ٹیلیفون پر سر سلطان کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری
طرف سے سر سلطان کی آواز پہنچتی ہی وہ بولا۔

”ابھی ابھی سلیمان نے مجھے ایٹمی میزائل کی تباہ کاری کے متعلق بتایا
ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے۔“

ہاں عمران بیٹے — ”سر سلطان کی سسکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ ڈاکٹر شیطان نے کل ہی اس واقعہ کی پیشگی اطلاع دے دی تھی۔ اور آج شام پورے چار بجے اس کی دھکی کے مطابق ایٹمی میزائل کلفٹن کے علاقے میں پھٹ گیا۔ اس سے جو تباہی پھیلی ہے اور بے گناہ مارے گئے ہیں ان کا شمار کرنا آسان نہیں۔ کل اعلیٰ حکام کی میٹنگ بھی ہوئی تھی۔ میں نے بیک زبرد اور تم سے بات کرنے کی بہت کوشش کی لیکن نہ تم ملے اور نہ بیک زبرد۔“

”ہوں —“ عمران نے ہنکارا بھرا۔ اس وقت اس کی عجیب سی حالت تھی۔ چہرہ غصے سے لال بھیجھوکا ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے اور ریسپورپر انگلیوں کی گرفت سخت ہو گئی تھی کہ وہ ٹوٹنے کو ہو گیا۔ اگر عمران کو کوئی اس حالت میں دیکھ لیتا تو چیختا ہوا بھاگ اٹھتا۔ عمران حقیقتاً وحشی درندہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایک ایسا درندہ جو زخمی ہو کر اور زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے۔

”ڈاکٹر شیطان —“ وہ شیطان کا لفظ چبا کر بولا۔ ”میں اسے ایسی عبرتناک موت مار دوں گا۔ کہ دنیا کے تمام ظالم کانپ اٹھیں گے۔“ عمران کی آواز میں آتش فشاں دھب رہا تھا۔ ”اور میں اس وقت تک چین نہیں سہیونگا جب تک کہ میں اس کا اور اس کی تنظیم کا خاتمہ نہ کر دوں۔“

”عمران بیٹے — اعلیٰ حکام ایکسٹو کے بارے میں بار بار پوچھ رہے ہیں۔ میں انہیں جواب دوں —“ سر سلطان نے نرم لہجے میں کہا۔

”آپ انہیں یقین دلا دیں کہ آئندہ جو میں گھنٹے پورے ہونے سے پہلے پہلے قانون کے پنجے میں پہنچ جائیں گے۔“ عمران نے غرا کر کہا۔

خدا تمہیں فتح و نصرت عطا کرے بیٹے۔ اور دوسری طرف سے سلطان نے دعائیہ انداز میں کہا۔ عمران نے اس کے بچے کی بھراہٹ صاف محسوس کی تھی۔ اس نے بھی ریسپور کہ پڈل پر ڈال دیا اور پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ٹو سیٹر میں بیٹھ کر وہ چل پڑا۔ دانش منزل وہ جا نہیں سکتا تھا۔ خطرہ تھا کہ ڈاکٹر شیطان کسی سکرین پر اسے دیکھ نہ رہا ہو۔ اس کا رخ کلفٹن کی طرف تھا۔ جہاں قیامت آکر گزر چکی تھی۔ لیکن ابھی وہ راستے میں ہی تھا۔ کہ اس کا ذہن کھب سے اڑ گیا۔ اور اس کی وجہ کار کی کھڑکیوں کے شیشوں کا خود بخود بند ہو جانا تھا۔ پھر فوراً ہی اسے سٹیرنگ وہیل بالکل فری معلوم ہوا۔ عمران نے بوکھلا کر بریک لگائے لیکن باوجود کوشش کے بریک پیڈل نہ دبا سکا۔ وہ بھی جام ہو چکا تھا مگر کار سڑک پر بالکل محفوظ جا رہی تھی۔ اور اس کی رفتار بھی مناسب تھی۔ سڑک کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر بھی مڑ جاتی۔ عمران حیران تھا کہ کیا ماجرا ہے۔ پھر اس نے کھڑکی کے شیشے کھولنا چاہے لیکن وہ اتنی سختی سے بند تھے کہ انہیں کھولنے والا میکنزم بیکار معلوم ہوتا تھا۔ یہی حال دروازوں کا تھا۔ وہ بھی اس طرح جام تھے جیسے کبھی کھسے ہی نہ ہوں۔ عمران کو یہ سمجھتے دیر نہ لگی کہ کار ریڈیو کنٹرول میں ہے۔ اگلے چوک سے کار کا رخ کلفٹن کی بجائے راج گڑھ کی طرف ہو گیا۔

عمران سوچنے لگا کہ کیا معاملہ ہے۔ اس نے جیب میں چیونگم کا پکیٹ ٹٹولا۔ لیکن چیونگم نہ ملا۔ ڈلیش بورڈ کے خانے میں وہ اکثر چیونگم کے پکیٹ رکھ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ڈلیش بورڈ کا خانہ ٹٹولا اور

ہی لمحے چونک پڑا۔ ڈلش بورڈ میں سنہری دنگ کا ایک گول بیج رکھا تھا۔
 بیج پتیل کا تھا۔ اور اس کے عین درمیان میزائل کا نشان بنا ہوا تھا۔
 عمران نے کسی خیال کے آتے ہی غور سے کار کا اندرونی جائزہ اور
 اچھل پڑا۔ یہ اس کی ٹوسیٹر تو نہیں تھی بلکہ نئی ٹوسیٹر تھی۔ اس کا مطلب
 تھا کہ مجھروں نے اسے پکڑنے کے لئے یہ سارا چکر چلایا تھا۔ عمران کے
 ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ ونڈا سکرین سے باہر بھاگنے
 لگا۔ کچھ دور سڑک کے درمیان ایک بڑا سا بند ٹرک کھڑا دکھائی دے
 رہا تھا۔ جس کا پچھلا حصہ کھلا تھا۔ جب عمران ٹوسیٹر میں اس کے قریب
 پہنچا تو اس کی آنکھوں میں حیرت ناچنے لگی۔ کیونکہ کار سیدھی ٹرک کی
 طرف جا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس سے ٹکراؤ ہونا لازمی
 ہے۔ لیکن پھر اس سے پہلے کہ عمران سنبھلتا کار ایک جھٹکے کے ساتھ ٹرک
 سے بند ہوئی اور پھر ہوا میں تیرتی ہوئی سڑک کے پچھلے حصے میں آرام
 سے اتر گئی۔ اس کے ساتھ ہی ٹرک کا کھلا حصہ لوہے کی دو چادروں سے
 بند ہو گیا اور ٹرک حرکت میں آ گیا۔



میزائل شیشن ایک بہت بڑے ہال پر مشتمل تھا۔ جس

میں پچیس کے قریب سگار نما ایچی میزائل موجود تھے۔ وہ میزائل ہینگروں میں محفوظ تھے۔ اور ان ہینگروں کے ساتھ بجلی کی تاروں کا سلسلہ قائم تھا۔ یہ تاریں ہل کی چھت سے آکر ہینگروں کے ساتھ ایچی تھیں۔ ہل کے ایک کونے میں 2 ایچ 1 فٹ کا ایک کمرہ بنا ہوا تھا۔ یہی کمرہ میزائلوں کے لئے کنٹرول روم تھا۔ کمرے میں ایک بورڈ پر مختلف چھوٹے بڑے بے شمار سوئچ اور مین نصب تھے۔ کنٹرول بورڈ کی سامنے والی دیوار پر تین مختلف سائز کے اسکرین لگے ہوئے تھے۔ اسکرینوں کے ساتھ سپیڈومیٹر، سمتی آلات اور حیرت پیا جیسے مختلف میٹرز لگے ہوئے تھے۔ کنٹرول بورڈ کے ساتھ ایک گھومنے والی کرسی رکھی تھی۔ جس پر اپریٹر بیٹھا ہوا تھا۔ اپریٹر نے سیاہ نقاب لگا رکھا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر ایک میٹر تھی جس پر ٹیلیفون رکھا تھا۔

ایچ 1 ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ اپریٹر نے فوراً ریسپونڈ کرنا شروع کر دیا۔ دوسری طرف کی آواز سننے ہی وہ مؤدب ہو گیا۔
 ”یس باس۔ نارٹن بول رہا ہوں۔“ اس نے مؤدب ہجے میں اپنا نام بتایا

”نارٹن۔ ٹائٹ آپریشن کے لئے میزائل تیار ہیں۔“ دوسری طرف سے ڈاکٹر شیطان کی سربراہٹ بھری آواز سنائی دی۔
 ”یس سر۔“ ٹائٹ آپریشن کے لئے چار میزائل بالکل تیار ہیں۔
 آپ نے چار کا ہی حکم دیا تھا۔“ نارٹن نے جواب دیا۔
 ”ٹھیک ہے۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ میزائلوں کا ٹارگٹ کونسا ہے۔“

”یس سر کیا آپ خود یہاں آکر نشانہ لگائیں گے۔؟ مارٹن نے سوال کیا۔

”نہیں۔ لیکن اسٹیشن انچارج کی وہاں موجودگی ضروری ہے۔ میں اسے فون کر کے تمہارے بھیج دیتا ہوں۔“ ڈاکٹر کی آواز سنائی دی۔ جب میں فون پر تمہیں حکم دوں اس وقت میزائل فائر کرنے ہوں گے۔ اس دوران ایک بار پھر فائنل چیکنگ کے طور پر تم اپنا اطمینان کر لو۔ کہیں وقت پر کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے ورنہ۔“ ورنہ آخر میں ڈاکٹر کا ہوجھ بھیانک ہو گیا۔ اور آپریٹر کا پینے لگا۔ ڈاکٹر کا ہر کارکن ورنہ کا مطلب جانتا تھا۔

”ب۔ ب۔ بہتر جناب۔“ آپریٹر نے بوکھلا کر کہا۔ لیکن دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ اس نے بھی کانپتے ہاتھوں سے ریسپیور رکھ دیا۔ پھر اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سگایا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ میزائلوں والے ہال کی باتیں دیوار کے ساتھ دو نقاب پوش بیٹھے آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔ آپریٹر کو دیکھ کر وہ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپریٹر ان کے قریب پہنچ گیا۔

”نمبر سسٹی ون اور فورٹین۔“ اس نے دونوں نقاب پوشوں کو مخاطب کیا۔ ”مائنٹ آپریشن والے چاروں میزائلوں کو ایک بار پھر چیک کر لو۔“ اس سلسلے میں ہر قسم کا اطمینان چاہتا ہے۔“

”لیکن جناب۔“ ابھی پانچ منٹ پہلے تو ہم نے چیکنگ کی تھی۔“ ان میں سے ایک نے مؤدب لہجے میں کہا۔

”سسٹی ون۔“ آپریٹر یکدم غرایا۔ ”جو کہا جا رہا ہے کرو۔ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ پہلے چیکنگ ہو چکی ہے۔“

”رائٹ سر۔ رائٹ سر۔“ اسکٹی ون نے بولکھا کر کہا۔ اددوہ دونوں ہال کے وسط میں چار ہینگریوں پر لگے میزائیلوں کی طرف بڑھ گئے۔ آپریٹر ایک کرسی پر بیٹھ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ دونوں نقاب پوش میزائل اور ان کے ساتھ ہینگریوں میں سے منسلک بجلی کی رنگ برنگی تاروں کو چیک کرنے لگے۔ اس وقت ہال کے دروازے سے ایک نقاب پوش اندر داخل ہوا۔ اُسے دیکھتے ہی آپریٹر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نقاب پوش کا نام نمبر تھرٹین تھا۔ اور یہ نمبر سٹیشن ماسٹر باسٹیشن انچارج کا تھا۔ جس کا دفتر ہال کے ملحقہ کمرے میں تھا۔ سٹیشن ماسٹر وہاں رکنے کی بجائے سیدھا کنٹرول روم کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ آپریٹر بھی کمرے کی طرف جا آیا۔ سٹیشن ماسٹر کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ آپریٹر نے اسے سلام کیا۔

”ابھی ابھی باس نے اطلاع دی ہے کہ آج رات کوئی آپریشن ہے۔“

اور میرا یہاں رہنا ضروری ہے۔“ سٹیشن ماسٹر نے کہا۔

”یس سر۔“ مجھے بھی انہوں نے یہی حکم دیا ہے۔ اب میں فائنل چیکنگ کر رہا ہوں۔“ آپریٹر نے کہا۔

”ٹھیک ہے۔ تم جاؤ کام کرو۔“ فارغ ہو کر آ جانا۔ تب تک میں یہاں موجود ہوں۔“ سٹیشن ماسٹر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اور آپریٹر دوبارہ ہال میں چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد سٹیشن ماسٹر نے جیب سے سکریو ڈرائیوز نکالا۔ اور کنٹرول بورڈ پر جھیک گیا۔ اس نے کنٹرول بورڈ کی باٹم پلیٹ کا سکریو کھولا۔ اور پلیٹ علیحدہ کر لی۔ اب اس کے سامنے برقی تاروں کا ایک جال تھا۔ اس نے دوبارہ جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اور جیب اس کا ہاتھ باہر آیا تو

اس میں ایک چھوٹا سا دائرہ کھینچا۔ اس نے اٹھ کر دیوار پر لگا ایک مین سوئچ
آن کر دیا۔ جس سے کنٹرول بورڈ کے تاروں کا برقی سرکٹ ٹوٹ گیا۔
پھر وہ اطمینان سے کام میں مصروف ہو گیا۔ پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں
وہ اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ کنٹرول بورڈ کی باٹم پلیٹ کو دوبارہ اسکرینڈ ریمپور
سے کنس کر اس نے مین سوئچ آن کر دیا۔ پھر اس نے جیسے سگریٹ کا
پکیٹ نکالا اور سگریٹ سلگا کر کچھ سوچنے لگا۔

چند لمحوں بعد آپریٹر کمرے میں داخل ہوا۔ آتے ہی بولا: ”دوسری بار
چیکنگ ہو گئی ہے۔ ہر چیز ٹھیک ہے۔“
”کڑا۔ اب پانی کا ایک گلاس بلا دو تو اچھا ہے۔“ سٹیشن
ماسٹر نے مسکرا کر کہا۔

آپریٹر کمرے کے ایک کونے میں رکھے کولر کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے
شیشے کے گلاس میں پانی بھر کر سٹیشن ماسٹر کو پیش کیا۔ شکریہ کہتے ہوئے
اس نے گلاس تھام لیا۔ پانی پی کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خالی گلاس آپریٹر کی
طرف بڑھا دیا۔ جیسے ہی آپریٹر گلاس لینے کے لئے بڑھا۔ سٹیشن ماسٹر نے
گلاس پوری قوت سے کنٹرول بورڈ پر دے مارا۔ اور آپریٹر حیرت کے
مارے اچھل پڑا۔ شاید اسے خواب میں بھی سٹیشن ماسٹر سے اس حرکت
کی توقع نہ تھی۔ گلاس بورڈ کے چند ایک مبنوں کو توڑتا ہوا خود بھی
ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور آپریٹر حیرت سے منہ پھاڑے اس کی طرف دیکھے جارہا تھا۔
”سس۔ سس۔“ وہ چند لمحوں بعد سرسرااتے ہنچے میں بولا: ”یہ۔۔۔
یہ۔۔۔ کیا ہے؟“

بات پوری کرنے سے پہلے ہی اس کی نظر سٹیشن ماسٹر کے ہاتھ میں پکڑے

آتشیں ریو الور پر پڑ گئی۔ اور وہ یکدم اس طرح ہو گیا۔ جیسے موت کی شکل دیکھ لی ہو۔ آتشیں ریو الور کی کارکردگی سے وہ بخوبی واقف تھا۔ یہ ریو الور خالص ڈاکٹر شیطان کی ایجاد تھی۔ اس سے فائر کی گئی شمع کی زد میں آکر فولاد تک پگھل جاتا تھا۔ وہ تو پھر بھی گوشت پوست کا انسان تھا۔ حیرت کی نہ مایتی سے آپریٹر کا چہرہ بڑی طرح جگر گیا تھا۔

”خاموشی نے میرے سوالوں کا جواب دو۔ ذرا بھی چوں چرا کی تو پگھل کر لافے میں تبدیل ہو جاؤ گے“ سٹیشن ماسٹر دھیرے سے غرایا۔
 ”پپ — پوچھئے —“ آپریٹر مہکا کر بولا۔ اس کے پورے جسم پر لرزہ طاری تھا۔

”میزائل کہاں تیار ہوتے ہیں —“ سٹیشن ماسٹر نے سوال کیا۔
 ”اس ہال کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے۔ لیکن میں خود کبھی وہاں نہیں گیا۔ اس لئے حقیقت کا علم نہیں —“

”ہال میں موجود دونوں دسکروں کے ذمے کیا کام ہیں —“
 ”میرا ہاتھ بٹانا اور نگرانی —“ آپریٹر نے جواب دیا۔
 ”ہوں — ٹائٹ آپریشن کا کیا وقت مقرر ہے —“ سٹیشن ماسٹر نے تیسرا سوال کیا۔

”بارہ بجے شب — یعنی ٹھیک آدھا گھنٹہ بعد —“
 ”کیا کنٹرول بورڈ کی موجودہ پوزیشن سے میزائل فائر کئے جاسکتے ہیں؟“
 ”نہیں — میزائل کا فائر کرنے کے لئے کنٹرول بورڈ کے دونوں سفید بٹن دبانا ضروری ہیں۔ جواب ٹوٹ چکے ہیں۔“ آپریٹر نے خشک ہنٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

”اچھا۔ ٹاٹ آپریشن کے لئے کونسا ٹارگٹ منتخب کیا گیا ہے؟“
 سٹیشن ماسٹر نے پوچھا۔

”آرڈیننس فیکٹری اور اپورن صدر۔“

اس کا جواب سن کر سٹیشن ماسٹر کو جیسے کہہ سکتے ہو گئے۔ وہ
 چند لمحے بڑی خوشخوار لگا ہوں سے آپریٹر کو گھورتا رہا۔

”اچھا۔ سامنے دیوار کے پاس منہ پھیر کر کھڑے ہو جاؤ۔“ اس
 نے آپریٹر کو حکم دیا۔

آپریٹر نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور دیوار کے پاس پہنچ کر اپنا منہ
 دیوار کی طرف پھیر لیا۔ سٹیشن ماسٹر اس کی طرف آتشی ریوولور کا رخ
 کئے اطمینان سے بیٹھا سرٹ پیتا رہا۔ پھر اس نے گھڑی پر وقت دیکھا۔
 بارہ بجنے میں پانچ منٹ رہتے تھے۔

”ادھر آؤ۔“ سٹیشن ماسٹر نے آپریٹر سے کہا۔ فون پر باس
 کو اطلاع دو کہ تمہارے ہاتھ سے گلاس کنٹرول بورڈ پر گر اٹھا۔ اور
 چند منٹ ٹوٹ گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ٹاٹ آپریشن پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔
 پہلے تو آپریٹر گم صم کھڑا رہا۔ لیکن جب سٹیشن ماسٹر نے ریوولور کو
 جنبش دی تو اس نے تیزی سے ریسیدر اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ دوسری
 طرف سے باس ڈاکٹر شیطان کی آواز سنتے ہی بولا۔

”باس غضب ہو گیا۔ غلطی سے پانی کا گلاس کنٹرول بورڈ پر گر جانے
 سے چند منٹ ٹوٹ گئے ہیں جس کی وجہ سے آج رات ٹاٹ آپریشن پر
 عمل نہیں کیا جاسکتا۔“

”اوہ یہ کیسے ہوا۔ کیا سٹیشن ماسٹر موجود ہے؟“ دوسری طرف

ڈاکٹر شیطان نے غرّا کر کہا۔

”یس سر۔ وہ کافی دیر سے یہاں موجود ہیں۔ آپ ریٹر نے فوئدرہ
 بچے میں کہا۔ لیکن نظریہ ریوالتور پر بھی ہوئی تھیں۔
 ”ریسیور اُسے دو۔“ ڈاکٹر شیطان نے اس بار سپاٹ بچے میں کہا۔
 آپ ریٹر نے ریسیور سٹیشن ماسٹر کی طرف بڑھا دیا۔ سٹیشن ماسٹر نے
 ریسیور کان سے لگا لیا۔ ”یس باس۔“
 ”کیا آپ ریٹر صحیح کہہ رہا ہے۔“ ڈاکٹر شیطان نے اس سے پوچھا۔
 ”یس سر! اسی لئے ہیں نے اسے ریوالتور سے کور کر رکھا ہے۔“
 سٹیشن ماسٹر نے جواب دیا۔

”صرف کور کر رکھا ہے۔“ دھاڑ کر کہا گیا۔ اسے فوراً ختم کر دو۔
 میں خود بھی سکریں پر دہاں کا منظر دیکھتا ہوں۔“
 سلسلہ منقطع ہوتے ہی سٹیشن ماسٹر نے ریسیور کرڈیل پر ڈال
 دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کی نظر ایک لمحہ کے لئے آپ ریٹر سے مٹی اور اسی لمحے
 آپ ریٹر نے سٹیشن ماسٹر پر حملہ کر دیا۔



کیپٹن بارکوئج ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک

بڑی سی آہنی ٹیبل پر چمچے کی مضبوط پٹیوں سے جکڑے پایا۔ پھر اس نے سر کو حرکت دے کر ادھر ادھر دیکھا اور چونک پڑا۔ وہ اس وقت بہت بڑے ہال میں تھا۔ اس کے ہال میں کئی میزوں پر اس کی طرح انسان بیٹے ہوئے تھے۔ ہال میں موجود چیزیں دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ یہ کسی سائنس کی تجربہ گاہ یا آپریشن روم ہے۔ وہ ذہن پر زور دینے لگا کہ وہ اس حالت میں کیونکر پہنچا۔ چند سیکنڈ بعد ہی اسے یلہ آ گیا کہ وہ ہارڈی کے غنڈوں سے لڑتا ہوا ہے ہوش ہو گیا تھا۔

پچھلے واقعات یاد آئے ہی اس نے میز سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن وہ اس کوشش میں ناکام رہا۔ اس کا جسم بڑی مضبوطی سے بندھا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ آرام سے لیٹا رہا۔ پھر اسے ہال میں دو آدمی دکھائی دیئے۔ جنہوں نے اپنے چہرے سفید نقابوں سے چھپا رکھے تھے۔ وہ دونوں سیدھے کیپٹن کی میز کی طرف آئے۔ وہ دونوں آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ دونوں کیپٹن کے قریب آ کر رک گئے۔

”اس گروپ میں سب سے پہلے یہی ہوش میں آیا ہے۔ یعنی طاقت کا انجکشن لگانے کے ٹھیک اٹھارہ گھنٹے بعد۔ اس لئے سب سے پہلے اس پر ہی عمل کیا جائے گا، ایک آدمی نے دوسرے سے کہا۔
”تم لوگ کون ہو۔ اور یہ کونسی جگہ ہے۔ مجھے تم نے کیوں باز رکھا ہے۔“ کیپٹن بارنے ان سے پوچھا۔

”خاموشی سے پڑے رہو۔“ ایک آدمی نے غرآ کر کہا۔ ”تمہیں اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا چاہیے کہ ابھی انسان بن رہے ہو۔ جس کے بعد تم لامحدود طاقت کے مالک ہو گے۔“

”ایٹلی انسان — کیپٹن بابر چونک کر بولا۔ اسے یاد آیا کہ پرنسٹن
چوک میں ایٹمی انسانوں نے تباہی پھیلانی تھی۔

”ہاں — ہمارا باس ڈاکٹر شیطان عظیم ہے کہ اس نے ایک
معمولی انسان کو ایٹمی انسان بنانے کا فارمولا ایجاد کر لیا۔“

دوسرے آدمی نے یہ کہہ کر قریب رکھی تپائی پر موجود ایک برتن سے
سرنج اٹھائی۔ اسی تپائی پر سرنج اور نیلے محلول والی دو شیشیاں پڑی
تھیں۔ اس نے سرنج محلول والی شیشی سے تھوڑا سا محلول سرنج
میں بھرا اور کیپٹن بابر کے بازو میں انجیکٹ کر دیا۔ محلول جسم میں
انجیکٹ ہوتے ہی کیپٹن پر غنودگی طاری ہونے لگی اور پھر وہ دنیا د
ما فیہا سے بے خبر ہو گیا۔ دوبارہ جب اسے ہوش آیا تو وہ خود میں
انتہائی چست محسوس کر رہا تھا۔ اس بار اس کا جسم بھی آزاد تھا۔ وہ انگڑائی
لے کر آٹھ بیٹھا۔ لیکن جسم پر نظر پڑتے ہی وہ حیران رہ گیا۔ اس کا قد
پہلے سے تقریباً ایک فٹ بڑھ چکا تھا۔ اور جسم کے اعضاء بھی پہلے
سے زیادہ صحت مند اور موٹے تھے۔ پھر اس نے ایک آدمی کو لیبارٹری
کے ایک کونے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ اس آدمی نے واپسی میں ہیڈ فون
سے ملتے جلتے دو آنے اٹھا رکھے تھے۔ جن کے ساتھ بابر کے سی تاریں
منسلک تھیں۔ وہ دونوں آئے لیکر کیپٹن کے نزدیک پہنچ گیا۔ دوسرا
آدمی سیاہ ٹاپ والی میز کے قریب کھڑا کسی کاغذ کو بغور دیکھ رہا تھا۔
آلے لانے والے نے وہ ہیڈ فون نما آلہ یا کنٹوپ بابر کے سر پر اس
طرح فٹ کیا کہ کیپٹن بابر کے کان اس آلے میں چھپ گئے اور آلے کا
اگلا جھکا ہوا مائیک نما سرا اس کے منہ پر آ گیا۔

وہ خاموش بیٹھا سفید نقاب واسے کی کارروائی دیکھتا رہا۔ اور اندازہ لگاتا رہا کہ اب وہ کیا کرنے والا ہے۔ اس آدمی نے دوسرا کنٹوپ جو ذہن لیا۔ پھر اس نے دونوں آلوں کو ملانے والی تاروں میں لگا ہوا ایک لپٹن بٹن دیا دیا۔ فوراً ہی کیپٹن بابر کو اپنے ذہن میں نہ بردست انتشار محسوس ہوا۔ لیکن یہ انتشار صرف ایک لمحے کے لئے تھا۔

”تم ڈاکٹر شیطان کے غلام ہو۔ کیا تم سن رہے ہو۔“ کیپٹن کو اپنے ذہن سے سامنے والے آدمی کے الفاظ ٹکراتے محسوس ہوئے۔ اسے سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اسے ہینا نزم کیا جا رہا ہے۔ کیپٹن بابر کو اپنی قوت ارادی پر بھروسہ تھا۔ وہ خود بھی ہینا نزم کا ماہر تھا اور جانتا تھا کہ کس طرح مد مقابل کا اثر قبول کئے بغیر اس کی مرضی کے خیالات نشر کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ایک سیکنڈ کے دسویں حصے میں اس نے دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر لیا۔

”ہاں۔۔۔ میں سن رہا ہوں۔ میں ڈاکٹر شیطان کا غلام ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”تمہارا نام نمبر ٹوٹی فائیو ہے۔ تم ڈاکٹر شیطان کے حکم کے پابند ہو۔ تم بے انتہا طاقتور ہو۔ کیا تم نے سمجھ لیا۔“

”ہاں میں نے سمجھ لیا۔ میں طاقتور ہوں۔ میں ڈاکٹر شیطان کے حکم کا پابند ہوں۔“ کیپٹن بابر نے جواباً کہا۔

پھر وہ نقاب پوش جو بھی الفاظ کہتا گیا۔ کیپٹن بابر اسے دہرائے گیا۔ ایک منٹ تک ہینا نزم کا عمل کرنے کے بعد اس آدمی نے پیش بٹن دیا کر اپنا کنٹوپ اتار دیا۔ پھر کیپٹن بابر کا کنٹوپ اتار کر اس نے وہی رکھا

اور کیپٹن بابر کو میز سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا۔ کیپٹن بابر خود کو معمول
 ظاہر کرتے ہوئے اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ نقاب پوش کیپٹن بابر کو
 نے کہ ایک آہنی سیڑھی کی طرف بڑھ گیا جس کا دوسرا سرا چھت میں گول
 سوراخ میں ٹکا ہوا تھا۔ وہ اس سیڑھی کے ذریعے چھت پر موجود ایک کمرے
 میں پہنچ گئے۔ نقاب پوش نے کمرے کی ایک دیوار پر گئے ہوئے سوچ
 بورڈ کا ایک ٹمن دبایا تو بائیں طرف والی ایک دیوار ایک خلا سا پیدا ہو
 گیا۔ وہ دونوں اس خلا سے گزر کر ایک کمرے سے کمرے میں پہنچ گئے
 خلا کے دائیں طرف دیوار پر لگے ایک فریم کو ہٹا کر نقاب پوش نے وہاں
 موجود ایک سوچ کو دبایا تو وہ خلا بند ہو گیا۔ پھر وہ کیپٹن بابر کو اپنے
 پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا اس کمرے سے باہر نکلا۔ اور رانداری میں
 چھنے لگا۔ یہاں کمروں کی ایک لمبی لائن تھی۔ نقاب پوش ایک دروازے
 پر رکا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ فوراً ہی اندر سے داخلے
 کی اجازت دی گئی۔ نقاب پوش نے دروازہ کھولا اور کمرے میں
 داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے کیپٹن بابر بھی اندر آ گیا۔

اس کمرے میں ایک آہنی میز کے پیچھے سرخ نقاب لگائے ایک آدمی
 بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹیلیفون کا ریسیور تھا۔ جو اس نے اسی وقت
 رکھ دیا۔ نقاب پوش نے سرخ نقاب والے کو مودب انداز میں سلام
 کیا۔ سرخ نقاب والے نے ایک نظر ان پر ڈالی اور کرسی سے اٹھ
 کر کنٹرول ڈیسک کی طرف بڑھا۔ پھر اس نے ایک ٹمن دبایا اور
 دیوار پر لگے سکرینوں میں سے ایک سکرین روشن ہو گیا۔ سرخ نقاب
 والا فوراً ہی ایک ٹلو کو حرکت دینے لگا۔ اور چند لمحوں بعد سکرین پر

ایک کمرے کا منظر نظر آنے لگا۔ جس میں سیاہ نقابوں والے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ اور وہ کسی کنٹرول بورڈ کا منظر تھا۔ کیونکہ اس میں دیواروں پر کنٹرول بورڈ اور سکرین دکھائی دے رہے تھے۔ سفید نقاب والا آدمی اور کیپٹن بابر حیرت و دلچسپی کے ساتھ دونوں نقاب پوشوں کی لڑائی دیکھنے لگے۔ جبکہ سرخ نقاب والا کنٹرول ڈیسک کی ریوالونگ چیئر پر بیٹھا بڑے مضطرب دکھائی دے رہا تھا۔

اچانک ایک نقاب پوش کا داؤ چل گیا۔ اور اس نے دوسرے نقاب پوش کو اٹھا کر کنٹرول بورڈ پر دے مارا۔ اور پھر تیزی سے جھپک کر فرش سے شعاعی ریوالور اٹھا لیا۔ لیکن اسی وقت پہلے نقاب پوش نے تیزی سے اٹھ کر اس کے ریوالور والے ہاتھ پر ٹھوکر مار دی۔ ریوالور اڑتا ہوا ایک کونے میں جا گرا۔ اس کے ساتھ ہی ٹھوکر مارنے والے دوسرے کے پسلیوں میں کھڑی ہتھیلی کا دار کیا اور وہ آدمی پہلو پکڑ کر نیچے بیٹھتا چلا گیا۔ دوسرے نے فوراً ریوالور کی طرف چھلانگ لگائی اور ریوالور اٹھا کر فوراً بیٹھے ہوئے آدمی پر فائر جھونک دیا۔ دوسرے نقاب پوش نے فوراً کنٹرول بورڈ کی آڑ سے کر خود کو بچانا چاہا۔ لیکن ریوالور سے مسلسل فائر کی جانے والی شعاعوں نے کنٹرول بورڈ کے ساتھ اس پر بھی اپنا اثر کیا اور اس کا جسم تیزی سے پگھل کر لاوے کی شکل میں بہنے لگا۔ یہی حال کنٹرول بورڈ کا ہوا۔ کھڑا اور اب وہاں نہ کنٹرول بورڈ تھا اور نہ ہی دوسرا نقاب پوش۔ صرف ایک نقاب پوش کھڑا پیشانی سے بہنے والا پیمہ صاف کر رہا تھا۔

”اُک — ناقابلِ تلافی نقصان —“؛ مرغ نقاب والا ایک ٹبن دبا کر سکرین تار یک کرتا ہوا غرایا۔

”سو۔ یہ کون تھے دونوں —“؛ کیپٹن بابر کے ساتھ آنے والے آدمی نے پوچھا۔

”میزائل سٹیشن کا ماسٹر اور میزائل آپریٹر —“؛ مرغ نقاب والے نے شدید عفت کے عالم میں بتایا — ”تم کیا کہنے آئے ہو —“؟
 ”باس — اس ایٹمی غلام کو اپنے پاس لایا تھا۔ آپ اس کا معائنہ کر کر لیں۔ اگر اس پر صحیح عمل ہوا ہے تو ہم لوگوں پر بھی یہی عمل شروع کر دیں —“؛ سفید نقاب والے نے مؤدب لہجے میں بتایا۔
 ”کیا اس پر ہیناکرم کامیاب ہوا ہے —“؟

”یسر — آپ آزما کر دیکھ لیں —“ اس نے کہا۔ اب اس پر جوڑان کی بارش ہو گئی —

باس نے کوئی جواب نہ دیا۔ اٹھ کر آہنی ٹیبل کے پیچھے جا بیٹھا۔ ٹیلیفون کا ریسپونڈر اٹھا کر اس نے کسی کے نمبر ڈائل کئے۔ دوسری طرف سے آواز سنتے ہی وہ تیزی سے ہدایات دینے لگا۔ اس کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔ اور غور سے کیپٹن بابر کی طرف دیکھنے لگا۔
 ”تم کس کے غلام ہو —“؛ چند لمحوں کے بعد اس نے کیپٹن بابر سے پوچھا۔

”میں ڈاکٹر شیطان کا غلام ہوں —“؛ کیپٹن بابر نے سانسے والی بوار پر نظریں جمائے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے —“؛ ڈاکٹر شیطان نے سفید نقاب والے کو مخاطب

مخاطب کر کے کہا۔ ”اسے ایٹمی شاعروں سے گزار کر پوائنٹ زریز پر بھیج دو۔
میرے ایٹمی غلاموں نے آج ایک اہم آپریشن کرنا ہے۔ جس کا نام میں نے
آپریشن ٹائٹ رکھا ہے۔“

”یہت بہتر پاس۔“ سفید نقاب والے نے کہا۔ پھر اس نے
کیپٹن بابر کو اشارہ کیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ کیپٹن بابر بھی اس
کے ساتھ چل پڑا۔



ٹرک اونچے نیچے ناہموار راستوں پر تقریباً ایک
گھنٹہ تک چلتا رہا۔ پھر ایک جگہ رک گیا۔ ٹرک کا پچھلا حصہ آٹومیشک طریقے
پر خود بخود کھل گیا۔ اور تقریباً دس مسلح نقاب پوش ٹرک پر چڑھ
آئے۔ ان سب کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں۔ ان میں سے ایک
نے آگے بڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا اور عمران کو نیچے
اترنے کا اشارہ کیا۔ عمران نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور کار
سے نکل کر ان کے ساتھ ٹرک سے نیچے اتر آیا۔ تب اسے معلوم ہوا
کہ ٹرک ایک عمارت میں رکا ہے۔ جس پر چھت موجود تھی۔ اور یہ چھت

لوہے کی چادروں سے بنی ہوئی تھی۔ جس جگہ ٹرک رکا تھا وہ جگہ ایک پھوٹا سا پارکنگ شیڈ تھا جہاں چند کاریں بھی کھڑی تھیں۔ سامنے ہی ایک رابڈاری نظر آ رہی تھی لیکن عمران کو وہ جگہ یا راستہ نظر نہ آیا جہاں یہ ٹرک اس عمارت میں داخل ہوا تھا۔ مسلح نقاب پوش عمران کو گھرے میں لئے رابڈاری میں چلنے لگے۔ پھر وہ ایک کمرے کے دروازے پر ٹرک گئے۔ ایک نقاب پوش نے دروازے پر دستک دی۔

”کم ان —“ اندر سے آواز سنائی دی۔ اور نقاب پوش نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے آہنی ٹیل پر ایک سرخ نقاب والا بیٹھا تھا۔ نقاب پوش نے عمران کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا اور عمران نے چہرے پر حماقت کا لبادہ اوڑھے ہوئے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کے ساتھ دو مسلح نقاب پوش بھی اندر چلے آئے۔ باقی باہر رک گئے۔ یہاں عمران کو ایک کنٹرول ڈیسک اور کئی ایک سکرین لگے نظر آئے۔

”خوش آمدید مسٹر عمران —“ سرخ نقاب والے نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔ ڈاکٹر شیطان تم سے مخاطب ہے۔“

عمران نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی کے تاثرات پیدا ہو گئے۔

اوہ ہیلو مسٹر شیطان —“ وہ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا سرخ نقاب والے ڈاکٹر کی طرف لپکا لیکن دونوں نقاب پوشوں نے حلدی سے اس کے سینے پر سٹین گنوں کی نالیں رکھ دیں۔ عمران نے بڑے غصیلے مگر محتفانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

”مشر شیطان — یہ دیواریں ہم دونوں کو مٹنے سے روک رہی ہیں۔“ اس نے شکایتی انداز میں ڈاکٹر سے کہا۔
 ”کوئی بات نہیں عمران — اب جب کہ تم آہی گئے ہو تو مٹنے کے لئے کئی مواقع ملیں گے۔“ ڈاکٹر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

”میں مٹنے ملانے میں ادھار کا قائل نہیں ہوں مشربے ایمان۔“
 ”اوہ سوری۔ مشر شیطان —“ عمران نے جلدی سے کہا۔
 ”میں نے تمہیں مٹنے کے لئے نہیں بلوایا —“ ڈاکٹر شیطان نے

قدرے غصیلے لہجے میں کہا۔
 ”اور کیا بنگ پانگ کھینے کے لئے بلوایا ہے —“ عمران سے

چونک کر کہا۔ ”لیکن میں اس کھیل سے واقف نہیں ہوں۔“
 ”موت کے کھیل سے تو واقف ہو گے۔“ ڈاکٹر نے طنزیہ انداز

میں ہنس کر کہا۔
 ”ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ میں تم جیسے کئی شیطانوں کو اپنے ہاتھ سے

دفن کر چکا ہوں۔“ عمران نے اقرار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔
 ”شٹ اپ —“ ڈاکٹر دھاڑا۔ ”جائے میں رہو۔ تم نہیں

جانتے کہ چند منٹوں کے بعد کیا ہونے والا ہے۔“
 ”اوہ — کیا بچہ ہونے والا ہے۔“ عمران نے چونک کر پوچھا۔

”بھرتو تم مبارکباد کے مستحق ہو۔“
 ”چہک لو۔ جتنا دل چاہے۔ لیکن جب تم اسکرین پر اپنے ٹک

کی تباہی کا منظر دیکھو گے تو اپنی ہی بوٹیاں نوچنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔“
 ”میں عمران ہوں۔ شیطان نہیں۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

اور شیطان کتوں سے بھی بدتر ہوتے ہیں۔۔۔
 "شٹ اپ۔۔۔ ڈاکٹر اتنے زور سے دھاڑا کہ عمران کے ساتھ دونوں
 نقاب پوش بھی اچھل پڑے۔"

"آہستہ بھونکو یا۔۔۔" عمران کانوں میں انگلیاں ٹھونکتا ہوا بولا۔ "کیوں
 کانوں کا بیڑہ غرق کر رہے ہو۔"

"سنو عمران۔۔۔ میں تمہیں گولی بھی مار سکتا ہوں لیکن میں چاہتا ہوں
 کہ پہلے تم اپنے ملک کی تباہی کا منظر دیکھ لو۔" ڈاکٹر خلاف توقع نرم
 لہجے میں بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ تم صدے کی تاب نہ لاتے ہوئے ختم ہو جاؤ۔"
 "شیطان کے بچے۔۔۔" عمران دھاڑا۔ "اگر تم نے میرے ملک
 کے خلاف کوئی کام کیا تو میں تیرا ایسا حشر کروں گا۔ کہ دنیا بھی کانپ اٹھے گی۔"
 عمران کی آواز میں تسلی لپک رہے تھے۔ اس کی بات سن کر ایک لمحے کے
 لئے ڈاکٹر شیطان پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔

پھر وہ اٹھ کر عمران کے قریب آیا۔ چند لمحے وہ عمران کی آنکھوں میں
 آنکھیں ڈالے مسکراتا رہا۔ پھر وہ کٹر طول ڈیسک کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے
 ایک ہن دبا کر سکرین روشن کر دیا۔ اور ایک لٹوکہ گھمانے لگا۔ چند لمحوں
 بعد سکرین پر ایک ٹرک دکھائی دینے لگا۔ جو چاروں طرف سے بند تھا۔
 وہ ٹرک سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ٹرک ایک وسیع و سرلیخ فیکٹری
 کے آگے آتا ہوا رکا۔ اور عمران فیکٹری کو دیکھتے ہی چونک پڑا۔ کیونکہ وہ فیکٹری
 ملک کی سب سے بڑی اسلحہ ساز فیکٹری تھی۔ ٹرک رکتے ہی اس کا پچھلا
 حصہ کھل گیا اور اس میں سے اٹھ انسان اترنے لگے۔ ان کے ہاتھوں میں
 عجیب قسم کی گنیں تھیں۔ ایٹمی انسان تعداد میں پندرہ تھے۔ ٹرک سے اترتے

ہی وہ ایک گروپ کی صورت میں فیکٹری کے گیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ مگر ان کو سمجھتے دیر نہ لگی کہ ان کے کیا ارادے ہیں۔ فیکٹری کے گیٹ پر موجود مسلح محافظ ہتھیار سنبھال کر ان کے سامنے آ گئے اور ایٹمی انسانوں پر فائرنگ کرنے لگے۔

دیکھتے ہی ایٹمی انسانوں میں سے کسی پر بھی گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر انہوں نے بھی اپنی عجیب سی گنوں سے محافظوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ لیکن ان کی گنوں سے گولیوں کی بجائے نیلگوں شعلیں خارج ہو رہی تھیں۔ اور وہ شعلیں جس آدمی پر بھی پڑتیں وہ فوراً پگھل کر لاوے کی شکل میں تبدیل ہو جاتا۔ یہ منظر دیکھ کر عمران دانت پیسنے لگا۔ لیکن اس کے جسم کو چھو رہی تھیں۔ اور وہ حرکت کرنے سے مجبور تھا۔ چنانچہ خاموشی سے سکرین پر محافظ اور ایٹمی انسانوں کی جنگ دیکھنے لگا۔ چند لمحوں میں ہی ایٹمی انسانوں نے محافظوں کو ختم کر دیا۔ اب وہاں محافظوں کی لاشوں تک کا نشان نہ تھا۔ پھر ایٹمی انسان دوبارہ گیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ لیکن اب بھی گیٹ ان سے تیس چالیس قدم دور تھا۔

اچانک ٹرک کے عقبی حصے میں سے ایک ایٹمی انسان باہر نکلا اور ٹرک کی آڑ بیکرا ایٹمی انسانوں پر فائر کرنے لگا اور ایٹمی انسان دھڑا دھڑا پھٹنے لگے۔ ان کی پیش قدمی رک گئی۔ اور وہ پلٹ کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ لیکن ٹرک پیچھے پیچھا ہوا واحد ایٹمی انسان نظر نہ آ سکا۔ چنانچہ وہ پھر گیٹ کی طرف مڑ کر چلنے لگے۔ ٹرک کے پیچھے پیچھے ہوئے آدمی نے دوبارہ ان پر فائر کھل دیا۔ اور ایٹمی انسان تیزی سے پھٹ پھٹ کر کم ہونے لگے۔ چند لمحوں میں ان کی تعداد صرف تین رہ گئی۔ پھر شاید ان تینوں کو احساس

ہو گیا تھا کہ ان پر شعاعوں کی فائزنگ کہاں سے ہو رہی ہے۔ انہوں نے پلٹ کر ٹرک پر فائزنگ شروع کر دی۔ آن واحد میں ٹرک پگھل کر رہ گیا۔ اور پھر اس کا پٹرل ٹینک پھٹ گیا لیکن ایٹمی انسانوں کا دشمن ایٹمی انسان اس ٹرک کے قریب نہیں دکھائی دیا تھا۔ وہ تو سڑک دوسری طرف ایک لیب میں زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ عمران نے اسے غور سے دیکھا اور بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ ایٹمی انسان کیپٹن بابر تھا۔ سب کچھ عمران کی سمجھ میں آ گیا۔ لیکن اس کی ہنسی سن کر ڈاکٹر شیطان نے بڑی خوشنورنگاہوں سے اسے گھورا تھا۔ شاید وہ خود بھی اس غیر متوقع سچوٹشن سے پریشان ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ دوبارہ سکین کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ جہاں نظر آنے والا کیپٹن بابر آہستہ آہستہ سڑک کی طرف رہا تھا۔ پھر اس نے قدرے بند ہو کر سڑک سے کچھ فاصلے پر کھڑے بقیہ ایٹمی انسانوں کو دیکھا اور شعاعی گن سے ان پر فائزنگ کرنے لگا۔ گن سے نکلنے والی مسلسل شعاع باری باری ان تینوں پر پڑی اور ان کے جسم پھٹ گئے۔ اچانک ڈاکٹر شیطان نے دوہن ایک ساتھ دبا دیئے۔ اور بڑے غصیلے لہجے میں غرایا۔ "غیر ٹوٹی فائو یہ تم نے کیا کیا۔ اپنے ہی ساتھیوں کو ختم کر دیا۔"

"اے اے اے۔" عمران نے کیپٹن بابر کو قہقہے لگاتا دیکھا۔ "ڈاکٹر آؤ کے پھٹے عرف شیطان۔ وہ میرے ساتھی کہاں تھے۔ وہ تو تیرے غلام تھے لیکن میں تیرا غلام نہیں بن سکا تھا۔ تیرے ہینائز م کرنے والے ڈاکٹر مجھے معمول نہیں بنا سکے تھے۔ لیکن میں نے انہیں خوب آؤنایا۔ اور یہ ظاہر کیا کہ میں نے ہینائز ہو کر تمہاری غلامی قبول کر لی ہے۔"

کیپٹن بابر کی آواز آنا بند ہو گئی۔
 ”اب تم اپنی ہی بوٹیاں نوچتے رہو ڈاکٹر۔“ — ”ایمران نے سہس
 کر کہا۔

اس کی بات سنتے ہی ڈاکٹر شیطان نے مڑ کر ایک زوردار تھپڑ عمران
 کے منہ پر رسید کر دیا۔ اور مٹھاڑا۔
 ”مے جادو اسے۔ اور لاک اپ میں ڈال دو۔ اب یہ اٹھی میزائلوں
 سے اپنے ملک کو تباہ ہوتے دیکھے گا۔“
 ”لیکن تم تو کہتے تھے کہ اس ملک پر حکمرانی کرنے آئے ہو۔“ عمران نے
 مسکرا کر پوچھا۔

”حکمرانی۔“ ڈاکٹر طنز یہ انداز میں بولا۔ ”حکمرانی تو اب میں
 تمہاری قبروں پر کروں گا۔“
 ”شاید اپنے ملک میں تم کسی قبرستان کے گورکن تھے۔“ عمران کی
 زبان پھر چل پڑی۔

اس محلے پر عمران کو ایک بار پھر ڈاکٹر شیطان کا تھپڑ برداشت کرنا پڑا۔
 اور پھر دونوں نقاب پوش عمران کو گنوں کے دباؤ پر کمرے سے باہر
 لے آئے۔ باہر آٹھ نقاب پوش موجود تھے۔ انہوں نے عمران کو اپنے
 زرعے میں لے لیا۔ اور ایک طرف چلنے لگے۔



عمران

نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرہ چاروں طرف سے بند تھا۔ اس کے خفیہ دروازے ظاہر کرنے اور کھولنے کا میکانزم وہ دیکھ ہی چکا تھا۔ مسلح نقاب پوش اسے بند کر کے چلے گئے تھے۔ عمران کچھ دیر تک توتنگے فریش پر بیٹھا سوچتا رہا۔ پھر اس نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور سگریٹ کیس نکال لیا۔ یہ سگریٹ کیس وسیع حیطہ عمل کا ٹرانسمیٹر تھا۔ اس نے سگریٹ کیس کی سائڈ میں لگے دو بٹن کیے بعد دیگرے دبا دیئے اور اس میں سے ٹوں ٹوں کی ہلکی سی آواز خارج ہونے لگی۔ اس نے سگریٹ کیس کی دوسری سائڈ میں ایک ابھری ہوئی جگہ کو دبا دیا۔ تو ٹوں ٹوں کی آواز بند ہو گئی۔

”ہیلو جولیانا۔ ایکسٹو کا ٹنگ بو۔ اور۔“

”کیس جولیانا اٹینڈنگ۔ اور۔“ چند لمحوں کے بعد جولیانا کی آواز سنائی دی۔

”جولیانا۔ فوراً کیپٹن باربر سے واپس ٹرانسمیٹر پر رابطہ قائم کرو۔ اور سگریٹ کیس ٹرانسمیٹر واپس کے قریب رکھو۔ میں اس سے براہ راست بات کرنا چاہتا ہوں۔ اور۔“ عمران نے ایکسٹو کے لہجے میں حکم دیا۔

”بہتر جناب — ایک منٹ ہواؤ کریں — اور —“ جولیا کی مودب آواز سنائی دی — پھر ایک منٹ کے بعد دوسری آواز ابھری —

”یس سر — کیپٹن بائربول رہا ہوں — اور —“
 ”کیپٹن — جس جگہ ہے تم ایٹمی انسان بن کر نکلے تھے — وہ جگہ تو مہارے ذہن میں ہوگی —“ عمران نے کہا — تم سر سلطان سے کہہ کر وہاں مٹری بھیجا دو — مٹری مجرموں کے اڈے پر اس وقت ریڈ کئے گی — جب عمران انھیں کاستن دے گا — اور ہر کاشن کیے بعد دیگرے تین فائرول کا ہوگا — اور تم خود صفدر، صدیقی، نعمانی — چوہان اور خاور کے ساتھ مجرموں کے اڈے میں پہنچ جاؤ — ایٹمی انسان کی حیثیت سے تمہیں کوئی نہیں روکے گا — شاید تمہارا نمبر ٹوٹی فائیو ہے — اور —“

”یس سر — یہی میرا نمبر ہے — اور —“ کیپٹن کی آواز سنائی دی —
 ”وہاں تمہیں عمران ملے گا — اگر وہاں تمہیں جنگ ہوتی نظر آئے تو شامل ہو جانا — مٹری کو دو گھنٹے کے اندر اندر — مجرموں کے ہیڈ کوارٹر کا محاصرہ کر لینا چاہیئے — اور اینڈ آل —“

”جولیا —“ عمران نے اس بار جولیا کو مخاطب کیا — ”کسی نمبر نے رپورٹ دی ۹ — اور —“

”یس سر — صفدر نے رپورٹ دی ہے کہ عمران نے جن نمبروں کی نگرانی پر انہیں مامور کیا تھا — وہ چیمبر لین روڈ سے ایک ٹیکسی میں سوار ہوئے تھے اور سب دھڑے چوہان سوسائٹی کی تیسری لائن کی سٹائسیوین عمارت میں گئے تھے — لیکن پھر فوراً ہی اندر فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں — ایک گھنٹے کے بعد جب صفدر وغیرہ کو مٹری میں داخل ہوئے تو ان لوگوں کی

لاشیں ملیں جن کی وہ نگرانی کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ کوٹھی بالکل خالی تھی۔ اور — جولیانے بتایا۔

عمران نے مزید کچھ کہے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا اور سگریٹ کیس ٹرانسمیٹر بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ پھر اس نے چیونگم کا پیکیٹ نکالا اور ایک پیس منہ میں رکھ کر جگالی کرنے لگا۔ مزے کی بات تھی کہ مجرموں نے اس کی تلاشی بھی نہیں کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ٹرانسمیٹر اور چیونگم کے علاوہ اس کا رلیو اور بھی اس کے پاس تھا۔ ایک ہتھیار اس کی بائیں ٹانگ کے ساتھ بندھا تھا اور وہ ہتھاراکٹ پستل۔

تقریباً بارہ بجے کمرے کی بائیں دیوار ایک طرف کھسکتی چلی گئی اور اس میں دروازہ نمودار ہوا۔ دروازہ کھلا اور چار نقاب پوش اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں سٹین گنیں تھیں۔ جن کا رخ عمران کی طرف تھا۔ عمران اطمینان سے بیٹھا رہا۔ ان میں سے ایک نے عمران کو کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ عمران خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ خفیہ لاک اپ سے نکل کر وہ راہداری میں چلنے لگے۔ لیکن آج ان کا رخ ڈاکٹر شیطان کے کمرے کی طرف نہیں تھا بلکہ وہ عمران کو اس کی مخالفت تمت لئے جا رہے تھے۔ عمران چاہتا تو وہ ان سے یہیں چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے صوبے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے میں کافی دقت پڑا تھا۔ اس لئے وہ پرسکون انداز میں چلتا ہوا تھا۔

”تم مجھے کہاں لئے جا رہے ہو بھائی —؟“ عمران نے ان میں سے ایک کو مخاطب کر کے بڑے سیٹھے ہجے میں پوچھا۔

”خاموش رہو۔ تمہیں خود ہی پتہ چل جائے گا۔“ اس

نقاب پوش نے سخت لہجے میں کہا ۔

عمران نے اس کی ہدایت پر عمل کیا ۔ کچھ دیر بعد مسلح نقاب پوش ایک بڑے سے دروازے پر کے جہاں پہلے سے دو سٹین گنوں والے نقاب پوش موجود تھے ۔ عمران نے دیکھا کہ ہر ایک نقاب پوش پر مختلف نمبر لگے ہوئے تھے ۔ انہیں دیکھتے ہی دروازے پر موجود نقاب پوشوں میں سے ایک نے دروازے کی سائڈ میں دیوار کی ابھری جگہ پر ہاتھ سے دباؤ دیا اور دروازہ خود بخود دو حصوں میں تقسیم ہو کر دیواروں میں غائب ہو گیا ۔ اور عمران دروازے سے دوسری طرف کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا ۔ اس کے سامنے ہینگریوں میں سگار غامیزائل رکھے تھے ۔ اسی لمحے چاروں نقاب پوشوں نے سٹین گنوں کی نالیں عمران کے جسم سے لگا کر اُس کی طرف دھکلا دی اور عمران جلدی سے اندر داخل ہو گیا ۔ یہ ایک وسیع و عریض ہال تھا ۔ کم از کم چالیس فٹ لمبا اور تیس فٹ چوڑی ۔ اس کی چھت بھی کافی اونچائی پر تھی ۔ ہال میں پیسے سے چار مسلح نقاب پوش موجود تھے ۔ جو سرخ نقاب والے ڈاکٹر شیطان کے سامنے بڑے مہذب نظر آ رہے تھے ۔ ڈاکٹر شیطان ایک میزائل کے قریب کھڑا تھا ۔ عمران کو لانے والوں نے عمران کو ڈاکٹر کے سامنے کھڑا کر دیا ۔ اور ڈاکٹر عمران کی طرف دیکھ رہا تھا ۔ چند لمحوں بعد وہ عمران سے مخاطب ہوا ۔ ”کل رات تو تم فیکٹری کی تباہی نہیں دیکھ سکے تھے لیکن آج تم دیکھ سکو گے ۔ فیکٹری کے علاوہ نیوکلیئر پاور سٹیشن بھی آج تباہ ہو جائیگا ۔ جس کے بل پر یہاں کے ایٹمی بجلی گھر چل رہے ہیں ۔ اور ایٹمی ری پراسینگ

پلانٹ لگانے کی کوشش جاری ہیں۔“

”ایک بات تو بتاؤ۔“ عمران نے سمجیدہ لہجے میں کہا۔ ان کاروائیوں سے تمہیں کیا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ تمہارا مقصد کیا ہے۔“

”فائدہ۔۔۔ فائدہ تو میری حکومت کو پہنچے گا۔ جس کا مقصد ہی یہی ہے کہ ملک میں بے چینی و افراط فوری اور لاقانونیت پھیلائی جائے۔ اور ایسی تباہی و بربادی کے نقوش چھوڑے جائیں کہ تمہارا ملک ترقی یافتہ ملکوں سے کٹ جائے اور سائنسی و ترقی میں تیس چالیس پیچھے رہ جائے۔“

عمران کے جھڑوں کی ہڈیاں اتنی سختی سے ابھر آئیں کہ عمران کا چہرہ ہی بگڑ کر رہ گیا۔ اپنے وطن عزیز کے متعلق محرموں کا پلان سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ ابھی ڈاکٹر شیطان کی گردن توڑ دے۔ لیکن پھر اس نے خود پر قابو پالیا۔ جانتا تھا کہ یہ معاملہ آسانی سے ختم نہیں ہوگا۔ ڈاکٹر شیطان کہتا رہا۔

”تمہارا ملک تیسری دنیا کا ہیروینے کے خواب دیکھ رہا ہے اور میرا ملک یہ نہیں چاہتا۔ تمہارا ملک عربوں کی اسرائیل کے مقابلے میں امداد و پشت پناہی کرتا ہے اور میرا ملک دنیا بھر کے مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے۔ اسرائیل کا وجود اس کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ میرا ملک براہ راست تم پر حملہ کر کے عالمی برادری کو اپنا مخالف نہیں بنانا چاہتا۔ اور نہ چین اور روس سے جنگ کا خطرہ مول لے سکتا ہے۔ اس لئے اس نے مجھے یہ مشن سونپا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاکھی بھی نہ ٹوٹے۔ کیوں کیسا رہا ہمارا منصوبہ۔“

ڈاکٹر نے عمران کی طرف داد طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”بہت اچھا۔“ عمران نے طویل سانس لیکر کہا۔ ”لیکن مجھے
 افسوس ہے کہ تم اپنے منصوبے میں قیامت تک کامیاب نہیں ہو سکتے۔
 شاید تم ویت نامیوں کے لگائے ہوئے زخموں کو بھول چکے ہو۔ پیپے
 بھی تمہارے جیسے کئی یہودی شیطان عالم اسلام کے اس قلعہ کو سہارا
 کرنے کی نیت سے آئے تھے۔ مگر انہیں اپنی لاشوں پر آنسو بہانا
 بھی نصیب نہ ہو سکا۔ ان کے مقدر میں ایک ایسی موت آئی جس کی وہ
 خواب میں بھی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ تم بھی شیطان ہو صرف نام کے
 اسی نہیں عملاً بھی شیطانوں کے شیطان ہو۔ تم نے کل میرے ملک
 کے ہزاروں بے گناہ عوام کو اپنے ظلم کی بھینٹ چڑھایا ہے۔ لیکن
 تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ان واقعات نے تمہارے مقدر میں میرے
 ہاتھوں سے ایسی بھیانک سزا کا فیصلہ کر دیا ہے کہ یہودیوں کے جدِ امجد
 کی روح بھی کانپ اٹھے گی۔ اور یہ تمام مظالم معہ سود تمہارے ملک
 اور اسرائیل کو واپس پہنچا دیئے جائیں گے۔ چاہے اس کے لئے مجھے
 خون کا سمندر عبور کرنا پڑے۔“ عمران کے ہجے سے ایک عزم

محسوس ہو رہا تھا۔

”ہاں۔ خون کا سمندر۔“ ڈاکٹر متفقہ لگا کر مہنسا۔ ”ارے
 پاگل آدمی۔ تمہیں کس نے غلط فہمی میں ڈال دیا ہے کہ تم زندہ رہو گے
 تمہارے ملک کی تباہی کا منظر تمہیں دکھانے کے بعد تمہیں ایک لمحے
 کے لئے بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ زخمی سانپوں کی خطرناکی سے میں
 بخوبی واقف ہوں۔ اس لئے تم زندہ رہنے کی آس امید ختم کر دو۔“

اور آج کی رات کو زندگی کی آخری رات سمجھ کر گزاردے۔“
 ”یہ تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ آج کی رات میری آخری رات
 ہے یا کل صبح تمہاری موت کا سورج طلوع ہوگا۔“ عمران نے جواباً
 سہل کر کہا۔

”اچھا۔ اب خاموش رہو۔“ ڈاکٹر نے اسے دبا دیا۔ اور پھر چاروں
 نقاب پوشوں سے بولا۔ ”اسے لے جاؤ اور آدھے گھنٹے بعد لے آنا۔
 تب تک میں کچھ انتظامات کر لوں۔“

اس کا حکم سن کر نقاب پوشوں نے عمران کا رخ واپس دروازے کی
 طرف موڑ لیا۔ لیکن اب عمران کا دماغ الٹ چکے تھے۔ چنانچہ جیسے ہی
 نقاب پوش اسے زنگے میں لئے راہداری میں پہنچے۔ عمران وہ حرکت کر
 پایسیٹھا جس کی نقاب پوش گن برداروں کو توقع نہیں تھی۔ اس نے
 تیزی سے اپنی دونوں کہنیاں دائیں بائیں چلنے والے نقاب پوشوں
 کی پیوں میں رسید کیں اور اگلے نقاب پوش کی گردن میں ہاتھ
 دالتے ہوئے اچھل کر اس نے پیچھے آنے والے آدمی کے سینے پر دھوئی
 بھاڑی۔ وہ الٹ کر لپشت کے بل جا گرا۔ جب کہ دائیں بائیں چلنے والے
 اپنے اپنے پہلو کو دباتے ہوئے لڑکھڑانے لگے۔ عمران نے کچھ اس
 زور سے کہنیاں چلائی تھیں کہ تکلیف کی بے پناہ شدت سے ان کی
 ہلکی سی چیخیں نکل گئیں اور گئیں ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔
 چوتھے نے یو کھلا کر عمران کی گرفت سے اپنی گردن چھڑانا چاہی لیکن
 عمران نے فوراً ہی ہاتھ کو مخصوص انداز میں جھٹکا دیا۔ یہ جھٹکا مد مقابل
 کی گردن توڑ دیتا تھا۔ چنانچہ وہ چوکھا آدمی مردہ چھپکلی کی طرح عمران

کے ہاتھوں سے پھٹنا ہوا راہداری کے فرش پر گر پڑا۔
 لانتکا کر گرنے والے نے فوراً سنبھل کر شیش گن سے عمران پر گولہ
 کی بوچھاڑ کر دی۔



کار تیزی سے جام نگر جانے والی سڑک پر دوڑ
 رہی تھی۔ اور اس کار میں کیپٹن بابر، چوہان، خاور، صدیقی، نعمانی
 اور صفدر بیٹھے تھے۔ ڈرائیونگ سیٹ کیپٹن بابر نے سنبھال رکھی
 تھی۔ اور صفدر وغیرہ اسے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھ رہے
 تھے۔ جیسے وہ کسی دوسری دنیا کا انسان ہو۔ ایٹمی انسانوں کے
 روپ میں کیپٹن بابر بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔ ایکسٹو کی کال منوعول ہوتے
 ہی وہ سر سلطان کوٹنے اس کی کوٹھی پر پہنچا تھا۔ جہاں پہلے تو اسے
 گرفتار ہونا پڑا۔ کوٹھی کے محافظ سمجھے تھے کہ وہ سر سلطان کو ہلاک
 کرنے یا کوٹھی تباہ کرنے کے لئے آیا ہے۔ لیکن جب کیپٹن نے
 انہیں سبک دس کا مخصوص نشان دکھایا تو سر سلطان فوراً ہی
 باہر دوڑے آئے۔ کیپٹن کو دیکھتے ہی انہوں نے پہچان لیا تھا کیپٹن
 نے انہیں تنہائی میں ایکسٹو کا پیغام دیا اور پھر وہاں سے واپسی پر

وہ ممبروں کو اکٹھا کرنے لگا۔ اب وہ ڈاکٹر شیطان کی مجرمانہ کارروائیوں کے مرکز کی طرف جارہے تھے۔ جب ایٹمی انسانوں کے ساتھ کیپٹن بابر ہیڈ کوارٹر سے نکلا تھا تو اس نے راستہ ذہن نشین کر لیا تھا۔ جلد ہی وہ جام نگر پہنچ گئے۔ لیکن وہ رکے نہیں۔ سیدھے بڑھتے رہے۔ اور اب ان کی کار پہاڑوں کی طرف جانے والی ایک ہتھکڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ مزید آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ان کی کار ایک وادی میں پہنچ گئی۔ یہاں چاروں طرف اونچے نیچے پہاڑ تھے۔ کیپٹن نے کار روک دی۔ کار رکے ہی دائیں بائیں چٹانوں کے چھپے چھپے ہوئے دس نقاب پوش ہاتھوں میں سٹین گنز لئے کار کے قریب پہنچ گئے۔ اور گنوں کا رخ کیپٹن وغیرہ کی طرف کر لیا۔ کیپٹن اطمینان سے دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ اسے دیکھتے ہی ایک نقاب پوش آگے بڑھ آیا۔

”یہ کون ہیں ٹونی ٹائیو —“ اس نے کیپٹن کی ٹائی پر لگے ایک مونو گرام کو دیکھ کر پوچھا۔ یہ مونو گرام ہر ایٹمی انسان کو دیا گیا تھا۔ اور مونو گرام کے ساتھ ہی نمبر کھلا ہوا تھا۔

”باس کے مہان ہیں —“ کیپٹن بابر نے اسے آنکھ دبا کر جواب دیا۔ ”میری طرح باس کے غلام بننے کے لئے آئے ہیں۔“

کیپٹن بابر کا جواب سن کر اس نقاب پوش نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ اور پھر وہ سب چٹانوں کے چھپے غائب ہو گئے۔

کیپٹن بابر نے اپنے ساتھیوں کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور پھر ان کے آگے آگے ایک بلند پہاڑ کی طرف بڑھنے لگا۔ پہاڑ کے دامن

میں پہنچ کر اس نے پہاڑی دیوار کے ایک اُبھرے ہوئے حصے پر
 لگے چھوٹے سے بُن کو دبایا۔ اور انتظار کرتے لگا۔ چند سیکنڈ گزر
 گئے اور پھر پہاڑ کے اس حصے میں ہلکی سی گڑگڑاہٹ کی آواز گونجی۔
 اس کے ساتھ ہی پہاڑی دیوار دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور وہاں
 ایک گیٹ نما خلا پیدا ہو گیا۔ خلا پیدا ہونے ہی اس میں چار نقاب
 پوش سٹین گنیں نئے باہر نکلے۔ انہوں نے گنوں کا رخ کیپٹن بابر
 صفدر وغیرہ کی طرف کر دیا۔

”ہاتھ اوپر اٹھا لو۔۔۔“ ان میں سے ایک نے کیپٹن بابر وغیرہ
 سے کہا۔

”سٹاپ۔۔۔ میں اور یہ سب باس کے پاس جا رہے ہیں۔ کیا تم
 جانتے کہ میں باس کا غلام ہوں۔“ کیپٹن بابر نے غرا کر کہا۔
 ”لیکن باس نے تمہیں سکرین پر دیکھ لیا ہے۔ اور تم سب کو گرفتار
 کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ تم غدار نکلے۔“

کیپٹن نے طویل سانس لے کر ہاتھ بلند کر لئے۔ اس کو دیکھ کر
 صفدر وغیرہ نے ہاتھ بلند کر لئے۔ چاروں میں سے ایک نقاب پوش
 نے انہیں غیر مسلح کر دیا۔ اور پھر انہیں اندر داخل ہونے کا حکم دیا۔
 وہ خاموشی سے اس خلا میں داخل ہوئے۔ اب وہ ایک راہداری
 میں تھے۔ یہ راہداری زیادہ طویل نہ تھی۔ ان چاروں کے نرغے میں
 چلتے ہوئے ایکٹو کے ماتحت راہداری کے آخری سرے پر پہنچے۔
 ایک نقاب پوش نے آگے بڑھ کر دیوار میں لگے ایک لٹوکو گھمایا اور
 دیوار ایک طرف سرکتی چلی گئی۔ اب ان کے سامنے میلے سے زیادہ

طویل راہداری تھی۔ ان کے دوسری راہداری میں داخل ہوتے ہی پیپی دیوار نے اس خلا کو دوبارہ بند کر دیا۔ جس سے وہ گزرے تھے۔ اچانک انہیں کسی کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ کیپٹن بابر اس کے ساتھیوں کے علاوہ نقاب پوش بھی چونک کر رک گئے۔ ان کے رکتے ہی کیپٹن بابر حرکت میں آگیا۔ اس نے تیزی سے ایک نقاب پوش کی گن پر ہاتھ ڈالا۔ اور دوسرے ہاتھ سے اس کے جڑے پر گھونہ رسید کر دیا۔ صفدر اور چوہان وغیرہ اسی لمحے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ فوراً باقی تینوں نقاب پوشوں پر ٹوٹ پڑے۔ ان کی تعداد پانچ تھی جبکہ نقاب پوش صرف چار تھے۔ اس لئے جلد ہی انہوں نے چاروں نقاب پوشوں پر قابو پالیا۔ اس کاروائی میں زیادہ سے زیادہ دو منٹ صرف ہوئے تھے۔ گتیس حاصل ہوتے ہی انھوں نے چاروں نقاب پوشوں کو بھون ڈالا۔ دور کہیں سے اب بھی ٹرٹر ٹراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ چنانچہ وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔ لیکن چند ہی قدم چلے تھے کہ ایک کمرے سے ان پر فائرنگ ہونے لگی۔ وہ فوراً فرش پر گر پڑے اور جو با فائرنگ کرنے لگے۔ صفدر ریگتا ہوا دائیں طرف کے دروازے کی طرف بڑھا اس نے ہاتھ سے دروازے پر نہر دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ اور وہ جلدی سے اندر ریگ گیا۔ دروازے اوٹ میں کھڑے ہو کر اس نے باہر جانکا یہاں سے وہ دروازہ نظر آ رہا تھا۔ جہاں سے ان پر فائرنگ ہو رہی تھی۔ لیکن فائر کرنے والا دروازے کی اوٹ میں تھا۔

صفدر نے تیزی سے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کمرے کی درمیانی دیوار میں بھی ایک دروازہ تھا۔ وہ اس دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے

دروازے کی کی ہول سے آنکھ لگا کر دوسری طرف دیکھا۔ کمرے میں اُسے کوئی ذی روح دکھائی نہیں دیا۔ دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ اور اس کے خارجی دروازے کی طرف بڑھا جو بند تھا۔ کی ہول سے آنکھ لگا کر اس نے راہداری میں جھانکا۔ سامنے ہی وہ دروازہ تھا جہاں سے فائزنگ ہو رہی تھی اور فائزنگ کرنے والا ایک نقاب پوش تھا۔ صفدر نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ چھری پیدا کر کے اس سامنے والے نقاب پوش کی طرف دیکھا لیکن نقاب پوش اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے ایک ہی برسٹ مار کر نقاب پوش کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے ساتھی فوراً اُٹھ کر صفدر کی طرف دوڑے۔

ان کے ساتھ ہی دائیں کمرے کے دروازے کھلے اور ان میں سے پندرہ بیس ٹین گن بردار نقاب پوش نکل کر ان کے سامنے اور پیچھے پہنچ گئے۔ اور انھوں نے ٹین گنوں کی نالیں ان کے جسموں سے لگا دیں۔ ایکسٹروکٹ ما تحت اس اچانک پیدا ہو جانے والی صورت حال کے لئے قطعاً تیار نہیں تھے۔ چنانچہ ان کے ہاتھ خود بخود بلند ہو گئے۔ کیپٹن باہر پر اگرچہ گولیاں اثر نہیں کرتی تھیں۔ لیکن اس کے ساتھی تو ایسی انسان نہیں تھے۔ اگر وہ کوئی غلط حرکت کرتا تو اس کے ساتھیوں کا بچنا محال ہو جاتا۔ چنانچہ اس نے بھی خاموشی سے ہاتھ بلند کر لئے۔ وہ بُری طرح پھنس گئے تھے۔





فاسو مہوتے ہی عمران نے اٹھی تلا بازی کھائی اور گویاں
 اس کمر بچے سے گزر کر دوسرے نقاب پوش کے جسم میں ٹھس گئیں جو اس پر حملہ
 کرنے کیلئے بڑھا تھا۔ تلا بازی کھا کر عمران فائر کرنے والے نقاب پوش پر آگرا۔
 ایک جھکے سے اس نے نقاب پوش سے گن کھینچی اور دوسرے ہاتھ کا زور دار
 مگس کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ نقاب پوش تیور کر گر کر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔
 لیکن اسی لمحے تیسرے نقاب پوش نے عمران پر چھلانگ لگا دی۔ گن عمران کے
 ہاتھ سے نکل گئی۔ اور وہ نقاب پوش کے ساتھ راہداری کے فرش پر ادھر ادھر
 رٹھکنے لگا۔ نقاب پوش نے اس کے جیڑے پر گھونسہ رسید کیا۔ لیکن عمران نے تیزی
 سے سر پیچھے کر کے خود کو بچا یا اور پھر سر پوری قوت سے نقاب پوش کی ناک پر سے مارا۔
 نقاب پوش کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی اور وہ ناک پکڑ کر رہ گیا۔ عمران
 نے کمرے ہو کر ایک سٹین گن اٹھالی لیکن فوراً ہی اسے فرش پر گر جانا پڑا۔
 ہال کے دروازے پر کھڑے دونوں محافظوں نے اس پر فائرنگ شروع کر دی
 تھی۔ عمران نے ایک نقاب پوش کی لاش کے عقب میں لیٹ کر سٹین گن کا
 رخ ہال کے دروازے کی طرف کیا اور بولٹ کھینچ دیا۔ ٹوٹڑا ہٹ کی آواز کے
 ساتھ دو چیخیں ابھر کر معدوم ہو گئیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کے عقب
 میں دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ عمران نے مڑ کر دیکھا
 کچھ فاصلے پر راہداری دائیں طرف مڑ رہی تھی اور وہ آوازیں اسی طرف سے آ
 رہی تھیں۔ وہ فرش پر ساکت لیٹا رہا۔ لیکن نیم دھانکھ سے اس طرف دیکھتا رہا۔

جدھر سے آوازیں آرہی تھیں۔ پھر اسے راہداری کے موڑ پر پانچ نقاب پوش دکھائی دیئے جو دوڑتے ہوئے اسکی طرف آرہے تھے۔ جونہی وہ قریب پہنچے عمران نے سیدھے ہو کر ان پر ناکر کھول دیا۔

وہ پانچوں چھتے ہوئے فرش پر گرے۔ ان سے فارغ ہو کر عمران اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کسی طرف بڑھتا۔ راہداری کی چھت میں ایک دھاتی پیٹ نمودار ہوئی اور شین گن اس کے ہاتھ سے نکل اس پیٹ سے جا چکی۔ مرنے والے نقاب پوشوں کی سٹین گنیں خود بخود اوپر اٹھتی چلی گئیں اور پیٹ سے چپک گئیں۔ یقیناً وہ پیٹ زبردست مقناطیت رکھتی تھی۔ عمران بوکھلا گیا۔ پھر اس نے ایک طرف دوڑ لگا دی لیکن اسی وقت ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور چار نقاب پوشوں نے کمرے سے اسے گھرے میں لے لیا۔

”اسے باندھ کر میرا اکل سٹیشن میں لے آؤ۔“ راہداری میں گئے کسی سپیکر سے ڈاکٹر شیطان کی آواز آئی۔

ان چاروں میں سے ایک کمرے میں چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ریشمی مضبوط ڈوری تھی اس نے ڈوری سے عمران کے ہاتھ اسکی پشت پر باندھے۔ پھر وہ چاروں عمران کو نرغے میں لئے اس ہال کی طرف بڑھنے لگے۔ جہاں عمران ڈاکٹر شیطان سے ملاقات کر چکا تھا۔ ہال داخل ہوتے ہی اسے ڈاکٹر داتیں طرف کے چھوٹے سے کمرے سے نکلتا نظر آیا۔ وہ طنز پر نگاہوں سے عمران کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس کے اشارے پر سلج نقاب پوشوں نے عمران کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ اور خود اس سے دس قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوئے۔

”عمران۔“ ڈاکٹر شیطان غرایا۔ ”تم نے میرے دس بارہ آدمی ہلاک کر دیئے ہیں۔ اب میرے ایک اشارے پر ان چاروں کی سٹین گنوں کی گولیاں

تمہارے جسم میں بے شمار سوراخ کر سکتی ہیں۔ لیکن میں اب بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں یعنی تم اپنے ملک کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھو گے۔ تمہارے پانچ ساتھی یہاں پہنچ چکے ہیں۔ جھوٹری دیر میں وہ بھی تمہارے پاس آجائیں۔ پھر تم سب —؟

ڈاکٹر نے جلد ادھورا چھوڑ دیا اور دوبارہ کنٹرول روم میں داخل ہو گیا۔

عمران بھی سمجھ گیا کہ اس کے پانچ ساتھی کون کون ہو سکتے ہیں۔ وہ بے چین ہو گیا۔ اگر اس کے ساتھی پکڑ لئے گئے تو پھر بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ اس نے سوچا لیکن وہ کیا تھا۔ اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور چاروں شبین گنیں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ وہ خاموش کھڑا سوچتا رہا۔ پھر اسے فائرنگ کی ہلکی ہلکی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔ شاید اس کے ساتھی مجرموں سے ٹکرائے گئے تھے۔ فائرنگ تقریباً منٹ تک جوتی رہی اور پھر فائرنگ کی آوازیں بالکل ختم ہو گئیں۔ اسی وقت ڈاکٹر شیطان کنٹرول روم سے نکل کر عمران کے سامنے پہنچ گیا۔

تمہارے ساتھی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ ابھی تم ان سے ملو گے تو خوشی محسوس کرو گے کہ موت نے صحت تمہیں ہی نہیں تمہارے پانچ ساتھیوں کو بھی منتخب کیا ہے۔ ڈاکٹر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”یہ تو وقت بتائے گا کہ موت نے کسے منتخب کیا ہے۔“ عمران ہنس کر بولا۔

ڈاکٹر کچھ نہ بولا۔ خاموشی سے دانت پیسنے لگا۔ شاید اسے عمران کی جرات پر غصہ آ رہا تھا۔ جو موت کے منہ میں پہنچ کر بھی ہنس رہا تھا۔ اسی وقت ہال کے صدارے سے دس نقاب پوشوں کے گھیرے میں کیپٹن بابر، صفا، چوہان، خادرا، نعمانی اور صدیقی اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر کے حکم پر انھیں عمران کے قریب کھڑا کر دیا گیا۔ وہ پانچوں حیرت سے عمران کو دیکھنے لگے۔

”ان کے چھٹے ساتھی تنویر کو بھی لاک اپ سے نکال لاؤ۔“ ڈاکٹر نے دو نقاب پوشوں کو حکم دیا۔ اور وہ فوراً چلے گئے۔ تنویر کا نام سنکر عمران اور اس کے ساتھی چونک پڑے۔ کچھ دیر بعد تنویر ہال میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ اس نے حیرت سے عمران اور بانی ساقیوں کو دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ خاموشی سے ان کے ساتھ آکر کھڑا ہو گیا۔

”سٹیشن ماسٹر۔“ ڈاکٹر شیطان نے کسی کو بلند آواز سے پکارا۔ فوراً ہی کنٹرول روم سے ایک نقاب پوش نکل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ تمام کام تیار ہے ہے۔“ ڈاکٹر نے اس سے پوچھا۔

”لیں سر۔ آپ کے اشارے کی دیر ہے۔“ سٹیشن ماسٹر نے مؤدبہجے میں کہا۔ اچھا۔ جاؤ۔ اور ہال کے سکریں کو روشن کر دو۔ تاکہ عمران اور اس کے ساتھی بھی دیکھ سکیں۔ سکریں پر پلاسٹک سیٹ کر دو۔ اور جب میں فائر کا حکم دوں تو فائر کر دینا۔“

نقاب پوش ماسٹر کنٹرول روم میں چلا گیا۔ پھر سامنے والی دیوار پر لگا ہت بڑا سکریں روشن ہو گیا۔ اور اس پر ملک کی سب سے بڑی اسلحہ ساز فیکٹری کا منظر آنے لگا۔ سب چونک کر سکریں کی طرف دیکھنے لگے۔ اسی وقت عمران نے قریب صفر کے کان میں سرگوشی کی اور پھر خود بھی سکریں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ڈاکٹر شیطان عمران اور اس کے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

”دوستو۔ اب تم اپنے ملک کی سب سے بڑی آرڈیننس فیکٹری کو تباہ ہوتے دیکھو گے۔ لیکن اگر تم نے اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوشش کی تو میرے غلام تمہیں بھون کر رکھ دیں گے۔ اور تم غدار آدمی۔“ ڈاکٹر کیپٹن باری کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”تم بھی غور سے دیکھنا۔ جس فیکٹری کو بچانے کے لئے

اتم نے میرے ایٹمی غلام ختم کئے تھے وہ فیکری اب ایٹمی میزائلوں سے کس طرح تباہ ہوتی ہے۔ دیکھتا ہوں تم کس طرح اب فیکری کو تباہی سے بچاتے ہو۔ فیکری کے بعد تم نیوکلیر پاور پلانٹ کو تباہ ہوتے دیکھو گے۔ جس کے بل پر تم ایٹمی طاقت بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔“

ڈاکٹر شیطان کی تقریر سنکر عمران کے سوا سب کے جسموں میں سنسنی دوڑ گئی۔ اور ان کے دل بُری طرح دھڑکنے لگے۔ منہ ہی منہ میں وہ اپنے ملک کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے تھے۔ ڈاکٹر دیاہ سکریٹری کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”فائر۔۔۔۔۔ ڈاکٹر یکدم چیخا۔“

”ہینڈ اپ۔۔۔“ ڈاکٹر کی آواز کے فوراً بعد ایک ادا آواز گونجی۔ اور تمام لوگ اچھل پڑے۔ ایکٹو کے ماتحت یہ آواز ہزاروں میں پہچان سکتے تھے۔ کیونکہ یہ آواز ان کے چیف ایکٹو کے علاوہ کسی نہیں تھی۔ ڈاکٹر شیطان بوکھلا کر بٹھا۔ لیکن اس سے پہلے سٹیشن ماسٹر سٹین گن سمیت اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے سٹین گن ڈاکٹر کی پشت سے لگا دی۔ ڈاکٹر نے ساتھی نقاب پوش ہکا بکا کھڑے تھے۔ خود ڈاکٹر حیران و پریشان تھا۔

”ڈاکٹر۔ اپنے ساتھیوں سے کہو کہ گتیں پھینک دیں ورنہ میں فائر کر دہل گا۔“ سٹیشن ماسٹر کے روپ میں بلیک زیر دغٹرایا۔

عمران حیرت سے آنکھیں پھاڑے بلیک زیرو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے خواب میں بھی امید نہیں تھی۔ بلیک زیرو اس طرح آن ٹپکے گا۔ وہ ناخنوں میں لگے بیڈوں سے اپنی رسایاں کھول چکا تھا۔ اور اس کے ساتھی بھی آزاد ہو چکے تھے۔ کیونکہ انہوں نے بھی عمران کی طرح کاٹ ڈالی تھیں۔

ڈاکٹر شیطان نے اپنے ساتھیوں کو ہتھیار پھینکنے کا حکم دیا۔ انہوں نے فوراً ہتھیار پھینک دیے۔

”صفر، کیپٹن، خاور، چوہان، تنویر، نعمانی اور صدیقی۔ تم ان سب کو باندھ لو۔ اور عمران تم اسے سنبھالو۔“ بلیک زیرو نے ایکسٹو کے پیچھے میں کہا۔ اس کے حکم پر تمام مجوز حرکت میں آ گئے۔ اور نقاب پوشوں کو اپنی اور ان کی ٹائیوں سے باندھنے لگے۔ لیکن جیسے ہی بلیک زیرو کی توجہ قریب آتے ہوئے عمران کی طرف ہوئی۔ ڈاکٹر شیطان نے زور سے کہتی اس کے پیٹ میں رسید کر دی۔ بلیک زیرو لڑکھڑاکھٹا ہوا اچھے بھاٹا اور ڈاکٹر نے فوراً کنٹرول روم کی طرف پھلانگ لگا دی۔ لیکن عمران اسے بھلا کہاں جانے دیتا۔ وہ اچھل کر اس پر چڑھا اور دونوں فرش پر گر پڑے۔ عمران گرتے ہی، اس کے جڑے پر گھونسہ رسید کر دیا۔ ساتھ ہی غرایا۔

”اب کہو شیطان کی اولاد۔“ لیکن اسی وقت ڈاکٹر نے پلٹ کر اس کے منہ پر مکرر رسید کر دیا۔ عمران بوکھلا کر پیچھے ہٹا تو ڈاکٹر نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن عمران کی ٹانگ فوراً حرکت میں آئی اور ڈاکٹر دوبارہ فرش پر ہوا گیا۔ عمران سنبھل کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا اور پے در پے گھونسے برسائے لگا۔ ڈاکٹر کے چہرے کے ہر حصے سے خون بہنے لگا۔ اس کا نقاب بھی اتر گیا۔

”ہاں تو سفید فام یہودی کہتے۔ نیکٹری کب تباہ کر رہے ہو۔ ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے آئے نا۔ میرے ملک کی تباہی مجھے دکھانا چاہتے تھے۔ اب اپنی تباہی بھی دیکھو۔“ عمران بولتا رہا اور ڈاکٹر کے چہرے پر گھونسوں کی بارش کرتا رہا۔

اتنی دیر میں عمران کے ساتھی ڈاکٹر کے آدمیوں کو باندھ چکے تھے اور

بلیک زیر و سٹین گن لئے ہوشیار کھڑا تھا۔ عمران کے گھونسوں نے چند لمحوں میں ڈاکٹر کا علیہ بگاڑ دیا۔ اس کا چہرہ خون سے تر تہ تھا۔ اور وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ایکسٹو کے ماتحتوں نے عمران کی طرف دیکھا۔ تو کانپ اٹھے۔ اس وقت وہ خونی عفریت سے زیادہ بھیانک دکھائی دے رہا تھا۔ ڈاکٹر کے بے ہوش ہونے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے ایک سٹین گن اٹھائی اور اس کا منہ بندھے ہوئے نقاب پوشوں کی طرف کر دیا۔ بلیک زیر و سٹین دیکھا تو نوراً چیخا۔

”یہ کیا کر رہے ہو عمران — ؟“

لیکن عمران نے جواب دینے کی بجائے بولٹ کینچ لیا۔ اور بندھے ہوئے نقاب پوش گولیاں کھا کھا کر تڑپنے لگے۔ پھر عمران نے اس وقت فیش کی جب وہ سب ختم ہو گئے۔ اس نے مسکرا کر بلیک کی طرف دیکھا اور آنکھ مارتا ہوا بولا —

”ان کتوں کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہے چیف —“

بلیک زیر و سٹین بلیک مکرادیا۔ عمران نے کیپٹن باربر کی طرف سٹین گن کا رخ کر دیا۔ اور وہ بے چارہ بوکھلا گیا۔

”یہ کیا کر رہے ہو عمران صاحب —“ صفر بوکھلا کر دیا۔

”یہ بھی تو ایسی انسان ہے —“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

”آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ یہ کیپٹن باربر ہے —“ چوہان نے جلدی سے کیا۔ اور عمران واقعی حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

جب تک اسے پہچان سکا تھا۔ اس کی اس حرکت پر ایکسٹو سمیت سب ممبران ہنس پڑے لیکن عمران جلد ہی سنجیدہ ہو گیا۔ پھر اس نے بلیک زیر و

سے مخاطب ہو کر کہا۔

”جناب۔ اب آپ آرام کریں۔ باہر ملٹری پہنچ چکی ہوگی۔ آپ ریوانو
کے فائر سے ابھیں کاشن دیں۔ شاید ڈاکٹر کے کچھ ساتھی باہر بھی
موجود ہوں۔ کیوں کیسٹن میں صبح کہہ رہا ہوں۔ عمران نے کیسٹن باہر
کی طرف دیکھا۔

”جی ہاں۔ دس یا دہ نقاب پوش باہر سپاڑوں میں موجود ہیں۔“
بیک زبرد نے ایک نظر بے ہوش ڈاکٹر شیطان پر ڈالی جس کا
خون میں لٹھڑا ہوا چہرہ واقعی شیطان کا چہرہ لگ رہا تھا۔ پھر ہال کے
درداز سے باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد عمران نے اپنے
ساتھیوں کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولا۔

”آج پھر تمہارے چوہے نے عین موقع پر کام دکھایا ہے۔“
عمران کی بات سن کر سب ممبران مسکرانے لگے۔ عمران سچ کہہ رہا تھا۔

ختم شد



محمد سجاد بھٹی، سیف الملوک عباسی، یاسر حسنین

نیر کے لچسپاں

سے محلی
"خبر"
کے

خط ناک ایکس ٹو	۱۷ قریشی	۶/۵۰	زہریلے شجاری	اسلامی ایٹم
جولیا ان ایکشن	"	۹/-	موت ہے ہنگامہ	جانسن تصویر
عمران کا اغوا	"	۶/۵۰	گرین پکیٹ	تاج پرویز
وحشی عمران	"	۶/-	لاشوں کا چکر	"
سیاہ لاشیں	"	۸/-	اندھیرے میں فائر	"
ڈاکٹر ثرواگو	"	۹/-	منصوبے کی موت	"
ورلڈ ان ڈینجر	صفدر شاہین	۶/-	بلیک پرنس	"
ڈیتھ کیچرز	"	۶/-	بلیک ڈاگ	"
عمران اور شیطان	"	۶/-	لاشوں کا ناچ	"
مرڈر نائٹ	"	۵/-	پریش بلیک شی	"
بمب فورٹین	"	۹/-		
لیڈی مارشیا	"	۹/-		
ایکس ٹو پلان	"	۹/-	مکھ کی پٹلی	سراج الدین شیدا
بلیک سکاٹی	"	۹/-	نراجیلو کا خزانہ	"
ریڈیم ستیہ	طارق پرویز	۶/-	گھاس کے سمگلر	منظر انصاری

میرو شام کلب دسلور جوبلی نمبر زیر طبع
قیمت ۱۵/-